Reg: PCPB/458-S
NPR-295

صوت النجف

لسماحۃ آیۃ اللہ العظمیٰ المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی دام ظلہ الوارف

ماہانامہ علمی سماجی ماہِ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ شمارہ ۶۴

4 انتظار امامِ مہدیؑ کا مفہوم

6 امام حسن عسکریؑ کا معجزہ جرجان

9 مخلوط نظامِ تعلیم

11 خدا تک پہنچانے والے رسل و اولیاء کا ہر غلطی سے معصوم ہونا کیوں ضروری ہے؟

14 انسانی زندگی پر گناہوں کے اثرات ، قرآن اور احادیث کی روشنی میں

17 قبلہ کی تبدیلی کیوں؟

20 مرجع عالی قدر دام ظلہ سے پوچھے گئے سوالات اور ان کے جوابات

بانی

سماحۃ آیۃ اللہ العظمیٰ المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی

مدیر اعلیٰ

جناب نصیر الدین

نائب مدیرِ اعلیٰ

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ علی النجفی

انتظامی مدیر

مولانا قیصر عباس

معاونین:

مولانا سید محمد علی ہمدانی

مولانا محمد مجتبیٰ نجفی

مولانا محمد تقی ہاشمی

فوٹو گرافر

سید محمد حسین

رسالے کی سالانہ ممبرشپ حاصل کرنے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

00923125197082

اپنی تجاویز دینے کے لئے ہمیں ای میل کریں۔

Email:m.urdu@alnajafy.com

009647807363942

صوت النجف کو مقالات و تحریروں میں تدوین و ترمیم کا مکمل اختیار ہے ۔

سماحة آية الله العظمى المرجع الديني الكبير

الشيخ بشير حسين النجفي

دام ظله الوارف

انتظارِ امامِ مہدی علیہ السلام کا مفہوم

انتظار (تنتظر) سے ہے جس کا معنیٰ کسی شے کی امید رکھنا ہے اور ہمیں جس چیز کے انتظار کا حکم دیا گیا ہے وہ امام مہدی علیہ السلام کی حکومتِ حق کا انتظار ہے جس کی امید حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک ہر شخص کے دل میں موجود ہے، روایات سے پتہ چلتاہے کہ حق کی حکومت ایک دن ضرور قائم ہو گی، کیونکہ اس حکومت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نیک بندوں سے کیا ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب ایک عادل بادشاہ کے پرچم تلے حق کی حکومت قائم ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتاہے :۔

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُور مِن بَعْد الذِّكْر أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصَّلِحُون إِنَّ فِى هَاذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَبِدِين

(سورہ انبیاء ۔آ یت ۱۰۵ /۱۰۶)

ترجمہ :''ہم نے نصیحت (توریت)کے بعدیقینا زبور میں لکھ ہی دیا تھا کہ روئے زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے ، اس میں شک نہیں ہے کہ اس میں عبادت کرنے والوں کے لیے تبلیغ ہے''

اس موضوع کے حوالے سے چند امور کو ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے ۔

اول : امام کی حکومتِ حق کا انتظار کرنا عقلی اور شرعی حوالے سے ضروری ہے ۔

عقلی اعتبار سے انتظار : ہم جانتے ہیں کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ عقل انسان کو کسی کام کے کرنے پہ مجبور نہیں کرتی ،لیکن اگر کوئی کام ایسا ہو جس کے ذریعے ایسی چیز کو حاصل کیا جا سکتا ہو، جس کی عقل خود تمنا اور رغبت رکھتی ہے تو عقل انسان کو اس کام کے کرنے پہ مجبور کرے گی، پس امام علیہ السلام کی حکومتِ حق کا انتظاراس حکومت کے لیے ایک ایسی اساسی بنیاد اور فکری و عملی پیش قدمی ہے جیسے کسی ضروری چیز کو حاصل کرنے کے لیے طاقت اور کوشش کرنا ہے ۔

شرعی اعتبار سے انتظار: بہت سی روایات میں ہمیں حکومتِ حق کے انتظار کا حکم دیا گیا ہے، جن کی تعداد حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہے، بلکہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے امام علیہ السلام کی حکومتِ حق کا انتظار کرنا اُس زمانے میں افضل ترین عمل ہے ،جب زمین سے حق غائب ہو جائے گا ،زمین کا سارا نظام سرکشوں کے ہاتھ آجائے گا اور ان کا جیسے جی چاہے گا اور جس طرح ان کی ہواوہوس ان کو کہے گی وہ صالحین بلکہ ہر قوم اور اس کے مقدر سے کھیلتے پھریں گے۔

رسول اکرم صلى الله عليه وآله وسلم سے ایک حدیث مروی ہے جس کے ضمن میں آپ صلى الله عليه وآله وسلم فرماتے ہیں : **"انتظار الفرج عبادة"** یعنی امام علیہ السلام کی حکومتِ حق کا انتظار کرنا عبادت ہے ۔

امیر المومنین علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے پسند یدہ عمل کون سا ہے تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ'' امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرنا ہی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے''

امام علی ابن الحسین زین العابدین علیہما السلام فرماتے ہیں :۔

ان اهل الزمان غيبة (الامام المنتظر) القائلون بامامته المنتظرون لظهوره افضل اهل كل زمان لان الله تعالى ذكره اعطاهم من العقول والافهام

والمعرفة ما صارت بہ الغیبة عندہم بمنزلة المشاہدة جعلہم فی ذلک زمان بمنزلة المجاہدین بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالسیف أولئک المخلصون حقا و شیعتنا صدقا والدعاة الی دین اللہ سِرا و جہرا (قال علیہ السلام) انتظار الفرج من اعظم الفرج ۔

ترجمہ: وہ لوگ جو امام المنتظر عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی غیبت کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں، امام المنتظر علیہ السلام کی امامت کے قائل بھی ہیں، اور ان کے ظہور کا انتظار بھی کرتے ہیں، وہ لوگ تمام زمانوں کے لوگوں سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے ان کو ایسی یاداشت، قوتِ عقل ،فکرو فہم اور الہی معرفت عطا کی ہے، جس کی وجہ سے امام علیہ السلام کے غائب ہونے کے باوجود ان کا امام علیہ السلام کے بارے میں ایمان ایسا ہی ہے، جیسے وہ امام علیہ السلام کو دیکھ رہے ہوں ، اللہ تعالی نے ان لوگوں کو اس زمانے میں اُن مجاہدین کا درجہ عطا کیا ہے، جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مل کر تلوار کے ذریعہ جہاد کیا اور یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی مخلص، ہمارے سچے شیعہ اور اللہ کے دین کی ظاہر بظاہر اور چھپ کر دعوت دینے والے ہیں (پھر امام علیہ السلام فرماتے ہیں)امام علیہ السلام کے ظہور کا انتظار ہی سب سے بڑی کشائش ہے ۔

امام علی علیہ السلام سے ایک روایت مروی ہے جس میں فرماتے ہیں '' انتظروا الفرج ولاتیأ سوا من رَوح اللہ وان احب الاعمال الی اللہ عزّ وجلّ انتظار الفرج"

ترجمہ : ''امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل امام علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرنا ہے"

امام ابو جعفر (امام محمد باقر) علیہما السلام اپنے جدِ امجد حضرت محمد ﷺ کے بارے میں نقل فرماتے ہیں: ''قال "اللہم لقنی اخوتی " مرتین فقال من حولہ من اصحابہ اما نحن أخوانک یا رسول اللہ ؟ فقال ...لا، انکم اصحابی وأخوانی قوم فی أخر الزمان أمنو بی ولم یرونی لقد عرفنیہم اللہ باسمائہم واسماء ابائہم ...افضل العبادة انتظار الفرج"

ترجمہ :''امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا ﷺ نے دو مرتبہ کہا "اللہم لقنی اخوتی'' یعنی اے میرے اللہ مجھے میرے بھائیوں سے ملاقات کرا دے ، تو قریب بیٹھے ہوئے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ؟ تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا نہیں۔ تم میرے بھائی نہیں ہو، بلکہ تم میرے صحابی ہو میرے بھائی آخری زمانے کے وہ لوگ ہیں ،جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا لیکن پھر بھی مجھ پہ ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالی نے مجھے ان کے اور ان کے والدین کے ناموں سے آگاہ کیا ہے''

پھر آخر میں امام باقر علیہ السلام حضور ﷺ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

''سب سے افضل ترین عبادت امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور کا انتظار ہے ''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت وارد ہوئی ہے :-

"من مات علی ہذا الامر منتظرا لہ ہو بمنزلة من کان مع الامام القائم فی فسطاطہ ۔۔ثم سکت ہنیئة ثم قال۔۔ ہو کمن کان مع رسول اللہ ﷺ"

ترجمہ : ''جو شخص امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کا انتظار کرتے کرتے مر جائے اس کا مقام اُس شخص کی مانند ہے جو امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ ان کے خیمہ میں ہو ۔۔ اس کے بعد کچھ دیر خاموش رہے ، پھرفرمایا۔۔ اس شخص کا مقام ایسے ہے جیسے وہ رسول خدا ﷺ کے ساتھ ہو"

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے آباو اجداد سے اور وہ جناب رسول خدا ﷺ سے نقل کرتے ہیں :-

"افضل اعمال امتی انتظار الفرج من اللہ عزوجلّ"

ترجمہ : ''حضرت رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ میری اُمت کا سب سے افضل عمل اللہ کے حکم سے امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرنا ہے ''

حضرت امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ ظہورِ امام مہدی کے بارے میں ہمیں کچھ بتائیے تو امام رضا علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

"الیس انتظار الفرج من الفرج"

ترجمہ : ''کیا آسودگی اور کشائش کے انتظار سے ظہورِ امام مہدی کا مفہوم واضح نہیں ہے؟'' (یعنی مومنین کو راحت اور سکون فقط اسی وقت حاصل ہوگا جب امام مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے اسی وجہ سے مومنین ہر وقت امام علیہ السلام کے ظہور کا انتظار کرتے ہیں تاکہ اس تنگی اور سختی سے نجات مل سکے)

تقریباً ستر سے زیادہ روایات ایسی ہیں جو اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ ظہورِامام علیہ السلام کا انتظار واجب ہے ۔

☆جس طرح ایک اہم چیز کا انتظار اس کی اہمیت کے سبب اس متوقع چیز کے لیے انسان کوتیار کرتا ہے اور اس کے لیے مستعدرہنے اور ضروری وسائل مہیا کرنے کی طرف رغبت دلاتا ہے، اسی طرح اس متوقع چیز کے دشمن سے آسودگی اور راحت کو بھی سلب کر لیتا ہے اور اس کو ہمیشہ کے لیے خوف وحراس میں مبتلا کر دیتا ہے۔

تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح سے طاغوتی طاقتیں امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کے وجود اور ولادت باسعادت سے ڈرا کرتی تھیں، بالکل اسی طرح جیسے فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ڈرتا تھا، یہاں تک کہ اس نے نہ جانے کتنے ہی بچے فقط اس لیے ذبح کروا دیئے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آمد کو روکا جا سکے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور حفاظت ہوئی (کیونکہ اللہ تعالی کو اس کے کاموں سے کوئی نہیں روک سکتا وہ جو چاہتا ہے کر دیکھاتا ہے) اسی طرح بنو عباس اور اس سے پہلے بنو اُمیہ نے دنیا کے لالچ میں رسول خدا ﷺ کی نسل اور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی ،کیونکہ وہ عدل وانصاف اور حکومتِ حق کی آمد سے ڈرتے تھے اور جانتے تھے کہ حق کی حکومت آجانے کے بعد ان کا کیا حشر

ہو گا، غیبت صغریٰ اور اس کے قریبی ایام بنو عباس کے لیے انتہائی دشوار اور وحشت ناک تھے، پس وہ امام المنتظر علیہ السلام اور ان کے نمائندوں کو جگہ جگہ ڈھونڈتے پھرتے تھے، اور ہر اس شخص کی تلاش میں رہتے تھے جس کے ذریعے امام المنتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کے ٹھکانے کا پتہ چل سکے ، بنو عباس اور اس کے کارندے کسی سے بھی کوئی ایسا لفظ سن لیتے جس سے اس کا امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت پر ایمان ظاہر ہو تو اسے فوراً قتل کر دیتے۔ پس امام المنتظر علیہ السلام اور حق کے دشمنوں سے ان کا اطمینان چھن جانا، ان کا ہر وقت بے چین اور مضطرب رہنا اور اندھی اُونٹنی کی طرح ہاتھ پیر مارنا (یعنی بغیر سوچ وسمجھ اور بیوقوفوں کی طرح کام کرنا) انتظار کے فوائد میں سے ایک بہت بڑا اور اہم فائدہ ہے۔

☆اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومتِ حق کا قیام ظلم وستم اور فتنہ وفساد کے خاتمے سے ہی ہو سکتا ہے، اور طاغوت اور ظلم وجور کے بنائے ہوئے محلات کو گرانے کے بعد اسی جگہ عدل وانصاف کے قلعوں کو اسی وقت قائم کیا جا سکتا ہے ،جب انسان اس کے لیے نفسیاتی طور پر تیار ہو اور اس نظامِ حق کو تہہ دل سے قبول کرے ، پس اگر اس قسم کی حکومت حاصل ہو بھی جائے، لیکن لوگ اس حکومتِ حق کو قبول کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار نہ ہوں اور ان کی پریشان حال عقول اور منحرف شدہ افکار کی اصلاح نہ ہو تو انسان اکثر اوقات باطل کو حق سمجھے گا اور حق کو باطل ، اسی طرح وہ جسم جو دنیا کی محبت کے عادی ہو چکے ہیں وہ آنکھیں جو دنیاوی زندگی کی خوبصورتی اور دلفریبی سے متاثر ہو کر دھوکہ کھا چکی ہیں ،وہ کیسے حکومتِ حق کو قبول کریں گی ۔

پس اگر اس حالت میں حکومتِ حق قائم کی جائے تو اس حکومت کا بھی وہی انجام ہو گا، جو حضرت علی ابن ابی طالب علیہا السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی ظاہری حکومت کا ہوا تھا کیونکہ ان کی حکومت کے لیے مکمل طور پر طبعی وسائل فراہم نہ ہو سکے تھے، اور لوگ بھی اس حکومتِ حق اور عادل بادشاہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے، اس کی وجہ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد پھیلنے والی ظلمتوں اور جہالتوں کی وہ سیاہی تھی، جس سے رسول اکرم ﷺ کی عادلانہ حکومت کے نقوش ان کے ذہنوں سے مٹ چکے تھے اور اس تیئس سالہ عرصہ میں نیک دل لوگ یا تو رحلت کر گئے یا پھر ظلم و ستم کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گئے ،لہٰذا ہم اس وقت جن حالات میں زندگی گزار رہے ہیں یہ بھی انہی حالات کے مشابہ ہیں، پس دین اور عدل وانصاف سے محبت کے ذریعے اپنے نفوس کی اصلاح کرنا اور ظلم و فتنہ و فساد اور بے انصافی سے نفرت کرنا انتہائی ضروری ہے تاکہ ہمارے نفوس اور دل حق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو سکیں۔

☆ نفوس کی اصلاح کے ساتھ ساتھ بیرونی ماحول اور حالات کا ایسا ہونا ضروری ہے، جس میں حکومتِ حق کا قیام ہو سکے اور ایسا ماحول بنانے کے لیے واجب ہے کہ حق کی زیادہ سے زیادہ نشر واشاعت کی جائے، اور نصرتِ دین کے لیے لوگوں کو ترغیب دی جائے تاکہ ان میں حق اور دین کی مدد کی صلاحیت پیدا ہو سکے، مسلمانوں کو حق کی طرف توجہ اور اس کا شعور دلایا جائے اور پھر اسی طرح غیر مسلم افراد میں بھی شعورِ حق پیدا کیا جائے تاکہ وہ لوگ جن میں ہدایت یافتہ ہونے کی صلاحیت ہے انہیں اپنا ہم خیال اور اپنے حلقہ احباب میں لایا جاسکے، پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عقلی ،شرعی اور اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انتہائی اہمیت رکھتا ہے ،پس اگر حق کی مدد کرنے والے افراد کی ایک مناسب تعداد موجود نہ ہو، لوگوں میں حق کے نفاذ اور اس کے فوائد کا شعور نہ پایا جائے اور نہ ہی لوگوں میں وہ استعداد ہو، جس سے وہ ایک عادلانہ حکومت کو قبول کر سکیں تو اس قسم کی حکومت کے قیام کی ابتداء کرنا مناسب نہیں ہو گا اور ایسے حالات میں حکومتِ حق کے قیام میں جلدی کرنے سے اس کے نہایت بھیانک نتائج برآمد ہو ں گے اور بہت بڑے بڑے اہم مقاصد حاصل ہونے سے رہ جائیں گے ۔

☆ دشمنانِ حق اور حق کی مخالفت و مقابلہ کرنے والوں پر اتمام حجت کر دینا واجب ہے کیونکہ حکومتِ حق ان کا محاسبہ کرے گی، اور عدل وانصاف کے نافذ کرتے وقت جب ظالموں ، دھوکہ بازوں، غاصبوں اور فاسقوں کا محاسبہ کیا جائے گا، اور ان کو سزا دی جائے گی تو اس وقت ان کا حق کی طرف لوٹنا ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا ، اور اس بات کی طرف قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اشارہ کیا گیا ہے، جیسے سورہ انعام (آیت ۱۵۸) میں ارشاد ہوتا ہے:

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ ءَايَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ ءَايَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ ءَامَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انتَظِرُواْ إِنَّا مُنتَظِرُون

ترجمہ : اب کیا وہ اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تمہارا پروردگار خود آئے یا تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں آئیں، جس دن تمہارے پروردگا ر کی بعض نشانیاں آجائیں گی (تو اس دن) کسی نفس کو اس کا ایمان فائدہ نہ دے گا ،جب تک وہ پہلے سے ایمان نہ لے آیا ہو یا ایمان کی حالت میں نیکی نہ کر چکا ہو تم کہہ دو کہ تم انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں''

اسی طرح سورہ اعراف (آیت ۷۱) میں اس معنی اور باطل پرستوں کی ان بوسیدہ دلیلوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو وہ حق کی مخالفت اور دشمنی میں پیش کرتے ہیں پس قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:۔

''قال قد وقع علیکم من ربکم رجس وغضب أتجادلوننی فی اسماء سمیتموھا انتم و ابائکم ما نزل اللہ بھا من سلطان فا نتظروا انی معکم من المنتظرین"

ترجمہ : ''تمہارے اوپر پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب تو آچکا ہے کیا تم مجھ سے ایسی چیزوں کے بارے میں جھگڑتے ہو جس کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود سے نامزد کر لیا اور اللہ تعالی نے ان کے متعلق کوئی دلیل نازل نہیں کی لہٰذا تم عذاب کے منتظر رہو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں" ----- بقیہ ص۸ پر ---------

امام حسن عسکری علیہ السلام کا معجزہ جرجان

مولانا قیصر عباس نجفی

جرجان کا تعارف:

زکریا بن محمد بن محمود قزوینی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے آثار البلاد و اخبار العباد ، اس کتاب کے صفحہ ۴۱۱ پر لکھتے ہیں کہ جرجان مشہور اور عظیم شہر ہے اور یہ طبرستان کے قریب واقع ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۴۱۲ پر مذکور ہے کہ جرجان کی ہوا مسافروں کے لئے مضر ہے یعنی جو جرجان کے رہنے والا نہ ہو وہ جرجان آجائے تو اس کے لئے جرجان کی ہوا مضر ثابت ہوتی ہے ۔

ایک زمانے میں نیشا پور میں ۶۰۰ چور تھے تو نیشا پور والوں نے ان کو پکڑا اور ان میں سے ۳۰۰ کو جرجان بھیجا اور ۳۰۰ کو جرجانیہ خوارزم بھیجا تو ایک سال کے بعد جنکو جرجان بھیجا گیا تھا ان میں سے فقط تین بچے باقی سارے مر گئے جبکہ جن کو جرجانیہ خوارزم بھیجا گیا تھا ان میں سے ۳ یا ۴ مرے باقی سلامت رہے ۔

جبکہ اسحاق بن حسین اپنی کتاب آکام المرجان فی ذکر المدائن فی کل مکان کے ص ۷۰-۷۱ پر بیان کرتے ہیں :

و هي في الإقليم الخامس. ،افتتحت في خلافة معاوية بن أبي سفيان ،ثم ارتدّ أهلها عن الإسلام، حتى افتتحها يزيد بن المهلب في خلافة سليمان بن عبد الملك. و هي عظيمة و خراجها يبلغ عشرة آلاف ألف دينار .،و بها الإبل البخاتي العظام، و بها نخل كثير.

جرجان پانچویں بر اعظم میں ہے معاویہ کے زمانے میں فتح ہوا ، پھر جرجان کے لوگ اسلام سے مرتد ہوگئے ، پھر اس کو یزید بن مھلب نے سلیمان بن عبد الملک کی خلافت میں فتح کیا ، یہ بہت بڑا شہر تھا اور اس کا خراج اور ٹیکس دس لاکھ تک پہنچتا تھا ، یہاں خراسانی اونٹ بہت زیادہ ہیں اور کجھور کے درخت بھی بہت زیادہ ہیں ۔

جبکہ کتاب حدود العالم من المشرق الی المغرب ص ۱۵۳ پر ہے :

أهلها ضخام الرءوس مقاتلون عفيفون ذوو مروءة مكرمون للضيف.

جرجان کے لوگوں کے موٹے سر ہیں ، یہ لوگ جنگجو ، پاک دامن ، صاحبانِ مروت اور مہمانوں کا اکرام کرنے والے ہیں ۔

جبکہ علامہ الکورانی العاملی نے اپنی کتاب الامام الحسن العسکری والد الامام المھدی میں امام حسن عسکریؑ کے باب معجزات میںؒ لکھا ہے :

مدينة جرجان جزء من طبرستان و كان فيها شيعة لاهل البيت من اول الفتح الاسلامى و كانت فى عهد الامام العسكرى تحت حكم الحسن بن زيد العلوى المعروف بالداعى الكبير ، فقد ثار۲۵۰ على الخلافة العباسية

و تغلب علی آمل و سارية و جرجان وبقية طبرستان وحكم بعده محمد بن زيد العلوی

شہر جرجان طبرستان کا جز تھا اور ابتدائے فتح سے یہاں شیعہ اہل بیتؑ رہتے تھے اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانے میں جرجان کا حاکم حسن بن زید تھا جو کہ داعی کبیر سے معروف تھا، عباسی خلفاء کے خلاف ۲۵۰ میں انقلاب برپا کیا اور اس نے آمل ساریہ جرجان اور باقی طبرستان پر فتح حاصل کی، اس کے بعد ۲۷۸ ہجری تک اس کا بھائی محمد بن زید حاکم رہا۔

جرجان میں امام عسکری علیہ السلام کا معجزہ:

۳ ربیع الثانی کو امام حسن عسکری علیہ السلام نے اعجاز امامت سے جرجان کو اپنے وجود سے مشرف کیا، آپ سامراء سے آئے اور پھر واپس چلے گئے اور امامؑ جس مقام پر آئے تھے وہ جرجان والوں نے محفوظ کر لیا اور آج وہاں پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کو مسجد و قدمگاہ امام حسن عسکری علیہ السلام سے یاد کیا جاتا ہے اور آج بھی لوگ ۳ ربیع الثانی کو اس مقام کی زیارت کرنے آتے ہیں اور فخر کرتے ہیں کہ یہاں امام حسن عسکری علیہ السلام کے قدم لگے تھے، یہاں معجزہ کیا ہوا اس کو ہم عربی متن سے تحریر کرتے ہیں، اس معجزہ کو صاحب بحار نے بحار الانوار ج ۵۰ ص ۶۲ سے ۶۴ پر لکھا ہے:

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ الشَّرِيفِ الْجُرْجَانِي قَالَ: حَجَجْتُ سَنَةً فَدَخَلْتُ عَلَى أَبِي مُحَمَّد ع بِسُرَّ مَنْ رَأَى وَ قَدْ كَانَ أَصْحَابُنَا حَمَلُوا مَعِي شَيْئاً مِنَ الْمَالِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَسْأَلَهُ إِلَى مَنْ أَدْفَعُهُ فَقَالَ قَبْلَ أَنْ أَقُولَ ذَلِكَ ادْفَعْ مَا مَعَكَ إِلَى الْمُبَارَكِ خَادِمِي قَالَ فَفَعَلْتُ وَ خَرَجْتُ وَ قُلْتُ إِنَّ شِيعَتَكَ بِجُرْجَانَ يَقْرَءُونَ عَلَيْكَ السَّلَامَ قَالَ أَ وَ لَسْتَ مُنْصَرِفاً بَعْدَ فَرَاغِكَ مِنَ الْحَجِّ قُلْتُ بَلَى قَالَ فَإِنَّكَ تَصِيرُ إِلَى جُرْجَانَ مِنْ يَوْمِكَ هَذَا إِلَى مِائَةٍ وَ سَبْعِينَ يَوْماً وَ تَدْخُلُهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِثَلَاثِ لَيَالٍ يَمْضِينَ مِنْ شَهْرِ رَبِيعٍ الْآخِرِ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ فَأَعْلِمْهُمْ أَنِّي أُوَافِيهِمْ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ فِي آخِرِ النَّهَارِ وَ امْضِ رَاشِداً فَإِنَّ اللَّهَ سَيُسَلِّمُكَ وَ يُسَلِّمُ مَا مَعَكَ فَتَقْدَمُ عَلَى أَهْلِكَ وَ وُلْدِكَ وَ يُولَدُ لِوَلَدِكَ الشَّرِيفِ ابْنٌ فَسَمِّهِ الصَّلْتَ بْنَ الشَّرِيفِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الشَّرِيفِ وَ سَيُبْلِغُ اللَّهُ بِهِ وَ يَكُونُ مِنْ أَوْلِيَائِنَا فَقُلْتُ يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ الْجُرْجَانِيَّ هُوَ مِنْ شِيعَتِكَ كَثِيرُ الْمَعْرُوفِ إِلَى أَوْلِيَائِكَ يُخْرِجُ إِلَيْهِمْ فِي السَّنَةِ مِنْ مَالِهِ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ دِرْهَمٍ وَ هُوَ أَحَدُ الْمُتَقَلِّبِينَ فِي نِعَمِ اللَّهِ بِجُرْجَانَ فَقَالَ شَكَرَ اللَّهُ لِأَبِي إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ إِسْمَاعِيلَ صَنِيعَهُ إِلَى شِيعَتِنَا وَ غَفَرَ لَهُ ذُنُوبَهُ وَ رَزَقَهُ ذَكَراً سَوِيّاً قَائِلًا بِالْحَقِّ فَقُلْ لَهُ يَقُولُ لَكَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ سَمِّ ابْنَكَ أَحْمَدَ

جعفر بن شریف جرجانی نے کہا ایک سال میں نے حج کیا، میں سامراء میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں گیا، ہمارے ساتھیوں نے مجھے کچھ مال دیا تھا، پس میں نے ارادہ کیا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام سے سوال کروں کہ یہ مال کس کو دوں تو امامؑ نے میرے سوال کرنے سے پہلے کہا اس مال کو میرے خادم مبارک کو دے دو، جعفر بن شریف کہتا ہے میں نے مال خادم کو دیا اور امامؑ کی خدمت میں آکر کہا مولا جرجان میں رہنے والے آپؑ کے شیعہ آپؑ کو سلام کہہ رہے تھے، امام علیہ السلام نے فرمایا کیا آپ حج سے واپس نہیں جائیں گے تو جعفر بن شریف کہتا ہے کیوں نہیں مولاؑ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا بے شک آپ ۱۷۰ ویں دن کو جرجان پہنچ جائیں گے، آپ جمعہ کے دن جرجان پہنچیں گے، ربیع الثانی کی تین راتیں گزر چکی ہوں گی اور دن کا پہلا حصہ ہو گا یعنی اول نہار ہوگا، آپ اپنے ساتھیوں کو بتا دینا کہ میں اس دن، دن کے آخری حصے میں اچانک آؤں گا۔

تم رشد و ہدایت کی حالت میں جاؤ، بے شک اللہ آپ کو اور جو آپ کے ساتھ ہیں ان کو محفوظ رکھے گا۔

پس جب آپ اپنے گھر والوں اور اولاد کے پاس آؤ گے تو تمہارے بیٹے شریف کا بیٹا پیدا ہوگا، اس کا نام صلت رکھنا، اللہ اس کو ایک مقام تک پہنچائے گا اور وہ ہمارے دوستوں میں سے ہوگا، پھر جعفر بن شریف نے کہا:

اے فرزند رسول ابراہیم بن اسماعیل جرجانی آپ کے شیعوں میں سے ہے اور وہ آپ کے شیعوں سے بہت اچھائی کرتا ہے اور سال میں انہیں ایک لاکھ درہم سے زیادہ دیتا ہے تو امامؑ نے فرمایا ہمارے شیعوں سے نیکی کرنے کی وجہ سے اللہ ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل کو جزا دے، اللہ ان کے گناہ معاف فرمائے اور اس کو بیٹا عطا فرمائے جو حق کہے اور امامؑ نے فرمایا اے جعفر تم اس کو کہنا کہ گیارواں امامؑ فرما رہا تھا کہ اپنے بیٹے کا نام احمد رکھنا۔

جعفر بن شریف کہتا ہے:

فَانْصَرَفْتُ مِنْ عِنْدِهِ وَ حَجَجْتُ فَسَلَّمَنِي اللَّهُ حَتَّى وَافَيْتُ جُرْجَانَ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ مِنْ شَهْرِ رَبِيعٍ الْآخِرِ عَلَى مَا ذَكَرَهُ ع وَ جَاءَنِي أَصْحَابُنَا يُهَنِّئُونِّي فَوَعَدْتُهُمْ أَنَّ الْإِمَامَ ع وَعَدَنِي أَنْ يُوَافِيَكُمْ فِي آخِرِ هَذَا الْيَوْمِ فَتَأَهَّبُوا لِمَا تَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ وَ اغْدُوا فِي مَسَائِلِكُمْ وَ حَوَائِجِكُمْ كُلِّهَا فَلَمَّا صَلَّوُا الظُّهْرَ وَ الْعَصْرَ اجْتَمَعُوا كُلُّهُمْ فِي دَارِي

میں امامؑ سے آگیا، حج کیا، اللہ نے مجھے محفوظ رکھا اور جمعہ کے دن اول نہار تین ربیع الثانی کو جرجان پہنچ گیا جیسا کہ امامؑ نے فرمایا تھا۔

ہمارے ساتھی مجھے مبارک دینے کے لئے آئے تو میں نے ان کو کہا امامؑ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آج کے دن، دن کے آخری حصے میں آپ کے پاس اچانک آئیں گے، پس جس کی آپ کو احتیاج ہے اس کو تیار رکھو اور

اپنے مسائل و حاجات کو جمع کرو ، پس جب اہل جرجان نے نماز ظہر اور عصر پڑھی تو سارے جعفر بن شریف جرجانی کے گھر جمع ہوگئے ۔

جعفر بن شریف کہتا ہے :

فَوَ اللَّهِ مَا شَعَرْنَا إِلَّا وَ قَدْ وَافَانَا أَبُو مُحَمَّدٍ ع فَدَخَلَ إِلَيْنَا وَ نَحْنُ مُجْتَمِعُونَ فَسَلَّمَ هُوَ أَوَّلًا عَلَيْنَا فَاسْتَقْبَلْنَاهُ وَ قَبَّلْنَا يَدَهُ ثُمَّ قَالَ إِنِّي كُنْتُ وَعَدْتُ جَعْفَرَ بْنَ الشَّرِيفِ أَنْ أُوَافِيَكُمْ فِي آخِرِ هَذَا الْيَوْمِ فَصَلَّيْتُ الظُّهْرَ وَ الْعَصْرَ بِسُرَّ مَنْ رَأَى وَ صِرْتُ إِلَيْكُمْ لِأُجَدِّدَ بِكُمْ عَهْداً وَ هَا أَنَا قَدْ جِئْتُكُمُ الْآنَ فَاجْمَعُوا مَسَائِلَكُمْ وَ حَوَائِجَكُمْ كُلَّهَا

اللہ کی قسم ہمیں پتہ ہی نہیں چلا کہ اچانک امامؑ ہمارے پاس آئے ہم سارے جمع تھے پہلے امامؑ نے ہم پر سلام کیا ، ہم نے امامؑ کا استقبال کیا اور امامؑ کے ہاتھ چومے ، پھر امامؑ نے فرمایا میں نے جعفر بن شریف سے وعدہ کیا تھا کہ اس دن اچانک آپ کے پاس آؤں گا ، پس میں نے ظہر و عصر سامرا میں پڑھی اور آپ کے پاس آگیا ، تجدید عہد کے لئے ۔میں آگیا ہوں ، اپنے مسائل و حوائج جمع کر لو ۔

فَأَوَّلُ مَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْأَلَةَ لَهُ النَّضْرُ بْنُ جَابِرٍ قَالَ يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي جَابِراً أُصِيبَ بِبَصَرِهِ مُنْذُ شَهْرٍ فَادْعُ اللَّهَ لَهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِ عَيْنَيْهِ قَالَ

پس سب سے پہلے جس نے سوال کیا وہ نضر بن جابر تھا ، اس نے عرض کیا اے فرزندِ رسول ﷺ میر بیٹا جابر ایک ماہ سے بصارت سے محروم ہو گیا ہے ، آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ میرے بیٹے کی دونوں آنکھوں کی بصارت پلٹا دے ، امامؑ نے فرمایا:

فَهَاتِهِ فَمَسَحَ بِيَدِهِ عَلَى عَيْنَيْهِ فَعَادَ بَصِيراً

اپنے بچے کو ادھر لے آؤ ، امام نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ مسح کیا تو اس کو بصارت مل گئی ۔

ثُمَّ تَقَدَّمَ رَجُلٌ فَرَجُلٌ يَسْأَلُونَهُ حَوَائِجَهُمْ وَ أَجَابَهُمْ إِلَى كُلِّ مَا سَأَلُوهُ حَتَّى قَضَى حَوَائِجَ الْجَمِيعِ وَ دَعَا لَهُمْ بِخَيْرٍ فَانْصَرَفَ مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ

اور پھر ایک کے بعد دوسرا بڑھتا اور امامؑ سے اپنے مسائل و حوائج کو طلب کرتا اور امامؑ ان کو جواب دیتے یہاں تک کہ تمام کی حاجات پوری ہو گئیں ، امامؑ نے تمام کے لئے دعائے خیر کی اور اسی دن سامراء پلٹ گئے ۔

یہ واقعہ تین ربیع الثانی کو جرجان میں پیش آیا ، امامؑ معجزے سے یہاں آئے اور یہ مقام آج بھی جرجان میں موجود ہے اور ہر خاص و عام اس کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بقیہ :

انتظارِ امامِ مہدی علیہ السلام کا مفہوم

سورہ یونس (آیت ۲۰) میں باطل پرستوں کے انجام اور مواخذے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کہ جہالت ، سرکشی یا تمسخر کی بنا پر ایمان نہیں لائے ، پس قرآن فرماتا ہے:۔

"و یقو لون لو لا انزل علیہ أیۃمن ربہ فقل انما الغیب للہ فانتظروا انی معکم من المنتظرین"

ترجمہ : اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے رب نے اس پر کوئی نشانی نازل نہیں کی تم یہ کہہ دو غائب کا مالک تو خدا ہی ہے پس تم بھی منتظر رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں"

اس معنی کی طرف سورہ یونس (آیت ۱۰۲) میں پھر اشارہ ہوتا ہے:۔

"فھل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلو من قبلھم قل فانتظروا انی معکم من المنتظرین"

ترجمہ : "پھر کیا وہ ایسے دنوں کے منتظر ہیں جیسا کہ ان سے پہلے گزرے ہیں تم کہہ دو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والو ں میں سے ہوں"

سورہ ھود (آیت ۱۲۱، ۱۲۲) میں اللہ تعالی فرماتا ہے:۔

"اعملوا علی مکانتکم انا عاملون وانتظرو انا منتظرون"

ترجمہ :" (ان سے کہہ دو) تم اپنی جگہ جو جی چاہے کام کرتے رہو ہم بھی کچھ کرتے رہتے ہیں اور تم انتظار کرتے رہو ہم بھی انتظار کرتے ہیں"

ان آیات میں واضح طور پر دشمنانِ حق کو ڈرایا گیا ہے تاکہ ان سے سکون وآرام چھین لیا جائے اور وہ ظلم وستم سے حاصل شدہ زندگانی کو عیش و عشرت کے ساتھ بسر نہ کر سکیں اور ان کی یہ زندگیاں جو انہوں نے مظلومین پر ظلم کرکے اور ان کے حقوق پامال کرتے ہوئے گزاری ہیں ان کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گی، اور ان آیات سے مظلوم اور محروم لوگوں کے دلوں میں نجات کی کرن اور ظلم سے چھٹکارے کی اُمید پیدا ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں ظلم کرنے والوں سے انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، کیونکہ ان آیات میں انتقام کی بشارت کے ذریعے محرومین اور مظلومین کو ایک اُمید وآس دی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مخلوط نظام تعلیم

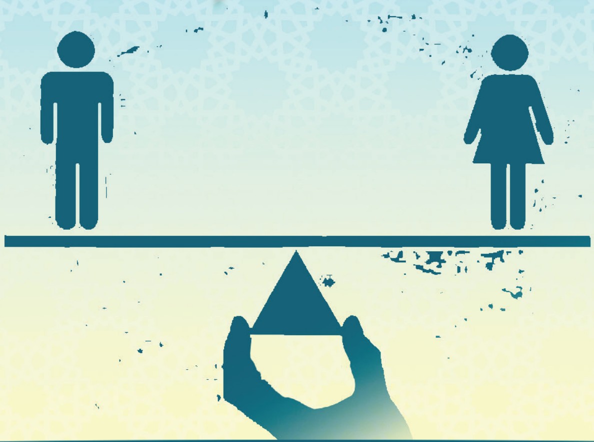

مرجع عالی قدر آیت اللہ العظمیٰ الحاج بشیر حسین نجفی دام ظلہ الوارف

میرے سٹوڈنٹس بیٹو اور بیٹیو! یاد رکھیں خواتین اور مردوں کا اختلاط اور Mixing ایک بہت خطرناک فتنہ اور بہت بڑی مصیبت اور مشکل ہے اور یہ مصیبت اور فتنہ فقط طلاب اور طالبات تک محدود نہیں بلکہ پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آچکا ہے اور ایک بہت بڑی مصیبت کی شکل اختیار کرچکا ہے کہ جس میں خشک و تر سب ہی جل رہے ہیں لیکن کالجوں، یونیورسٹیوں اور سکولوں میں یہ فتنہ انتہائی خطرناک اور بہت ہی برے اثرات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کے اختلاط اور Mixing سے مراد فقط یہ نہیں کہ لڑکا اور لڑکی دونوں ساتھ ساتھ یا جڑ کر بیٹھے ہیں بلکہ Mixing سے میری مراد لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان ملاقاتوں، ایک دوسرے سے میل جول، پارٹیوں اور راتوں میں اکٹھا جاگنے کی آزادی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ دونوں صنفوں میں فطرت کی طرف سے موجود خواہشات اور نفسانی آرزوئیں کبھی کبھی عقل، تعلیمی شوق، دینی مراتب میں ترقی کی کوشش، اخلاق، اور عفت و پاکیزگی پر مشتمل روایتی رسم و رواج پر غالب آجاتی ہیں پس اس طرح سے لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہی خطرے اور حرام کے ارتکاب کا شکار ہو جاتے ہیں اور شاذو ونادر ہی کوئی لڑکا اور لڑکی شرعی طور پر نکاح کرکے اس حرام سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ بہت سے حرام فعلوں کے ارتکاب کے بعد دونوں نکاح کرنے پر رضا مند ہوتے ہیں اور اگر نکاح بھی کر لیا جائے تو اس سے فقط اسٹوڈنٹ حرام سے محفوظ ہو جائے گا لیکن یہ شادی اور نکاح اسٹوڈنٹ کے عزم اور ارادہ کو تباہ کردے گا اور وہ فقط اپنی نفسانی خواہشات کا ہی سامنا کرتا رہے گا اور دنیا کی سب سے افضل چیز یعنی علم کے اوپر اپنی خواہشات کو ترجیح دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اسٹوڈنٹ کو کسی اعلیٰ تعلیمی مرتبے تک پہنچنے سے پہلے شادی کرنے سے منع کرتے ہیں۔ شہید ثانی اپنی کتاب ''منیۃ المرید'' میں کہتے ہیں ''جب تک اسٹوڈنٹ کسی اعلیٰ اور آخری علمی مرتبہ تک نہ پہنچے اسے شادی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ شادی ہماری تعلیم میں رکاوٹ بننے والا سب سے بڑا مانع اور تعلیمی وقت کو برباد کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے بلکہ شادی ہی تعلیم کے لئے ہر طرح کی رکاوٹ ہے یہاں تک کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ''شادی تعلیم کے لئے قاتل ہے'' اور یہ بات وجدانی اور واضح ہے اور کسی قسم کے شاہد یا مثال کی محتاج نہیں ہے۔ اگرچہ شادی کی وجہ سے اسٹوڈنٹ فکری اور اخلاقی فساد سے محفوظ ہوجاتا ہے لیکن تعلیمی میدان میں بہت پیچھے رہ جاتا ہے عربی زبان میں ایک محاورہ ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ "جب پیاز چھیلنے سے آنکھوں میں پانی آجائے تو اس وقت کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی"۔

نکاح اور شادی کی ترغیب کے بارے میں موجود روایات سے اسٹوڈنٹ کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ روایات ایسی صورت حال کے بارے میں ہیں کہ جب شادی کسی ایسی ذمہ داری کی ادائیگی میں حائل نہ ہو کہ جو شادی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور تعلیم کے حصول سے بڑھ کر نہ تو کوئی افضل ذمہ داری ہے اور نہ کوئی فرض۔ اور خاص طور پر اس زمانے میں تعلیم اور اعلیٰ تعلیمی مراتب کا حصول ہر اسٹوڈنٹ پر یا تو واجب عینی ہے یا پھر واجب کفائی ہے بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمان ممالک میں موجود پڑھے لکھے مسلمان افراد اپنی تمام ضروریات پوری کرنے کے لئے ناکافی ہیں لہٰذا تعلیم حاصل کرنا ہر ایک پر واجب ہے اور اعلیٰ تعلیمی مراتب تک پہنچنا ہر ایک کے لئے ضروری ہے اور اسٹوڈنٹ کے لئے تعلیمی میدان میں سستی اور کاہلی کرنا حرام ہے۔

لڑکے، لڑکیوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا اور مکس ماحول کہ جس کے بعد خواہشات پر کنٹرول مشکل ہوجاتا ہے قطعی طور پر عذر نہیں بن سکتا بلکہ یہ سب شیطانی چالیں اور وسواس ہیں Co-education میں بھی عاقل اسٹوڈنٹ اپنے لئے ایک خاص راستہ کو اختیار کر سکتا ہے ارشادِ قدرت ہے:

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّواْ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُواْ فُرُوجَهُمْ ذَالِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ وَ قُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَرِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ (سورہ نور ۳۱،۳۰)

یعنی: مؤمنین سے کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہی ان کے لئے سب سے زیادہ پاکیزگی ہے بیشک اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے واقف ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور مومنات سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اس کے جواز خود ظاہر ہو۔ اور اپنے دوپٹہ سے اپنے گریبان کو ڈھانپ کر رکھیں۔

Studentsکے لئے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ قیامت کے دن اس سلسلہ میں اس سے کسی قسم کا بھی عذر یا بہانہ قبول نہیں کیا جائے گا مثلا اس کا یہ کہنا کہ میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا، یا یہ سب میرے ارادہ کے بغیر ہوا یا میں کسی طرح اپنی نفسانی خواہشات کو نہیں روک سکتا ہوں وغیرہ وغیرہ یہ سب بہانے قیامت کے دن خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔ نہ جانے کتنے زیادہ پاک دامن جوان لڑکے اور لڑکیاں ہیں کہ جو فسق و فجور، اخلاقی بے راہ روی اور لادینی سے لبریز علاقوں میں رہتے ہیں پس یہ پاک دامن لڑکے اور لڑکیاں قیامت کے دن ان لوگوں پر حجت ہوں گے کہ جو صراطِ مستقیم سے پھسل کر شیطانی راہ پہ چلنے لگے۔

اگر نعوذ باللہ کسی اسٹوڈنٹ کا کوئی دین نہیں ہے کہ جو اسے شریعت کے قوانین کی خلاف ورزی اور حرام کاموں سے روکے تو کم از کم اس میں تعلیم کے حصول کی لالچ اور خواہش تو ہونی چاہیے اعلیٰ علمی مراتب تک پہنچنے کا عزم تو اس کے اندر موجود ہونا چاہیے پس جب کسی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق، عزم اور مضبوط ارادہ ہو تو یہ عزم اور ارادہ اسے اخلاقی فساد اور بے راہ روی کے گڑھے میں پھسلنے سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ آزاد رہتا ہے اپنی خواہشات کا غلام نہیں بنتا۔ حضرت علی فرماتے ہیں:

لا تكن عبدا غيرك و قد جعلك الله حرا

یعنی: تم کسی کے غلام نہ بنو یقینا خدا نے تم کو آزاد قرار دیا ہے۔

اسٹوڈنٹ کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم کے حصول کے لئے اپنی جدوجہد اور کوشش میں کسی قسم کی بھی سستی اور کاہلی نہ کرے باقاعدگی سے اپنی کلاس اور پیریڈز (Periods) میں حاضر ہو، اپنے Subject سے متعلقہ کتابوں کا مطالعہ کرے اور ٹیچر کے لیکچر اور اس کی گفتگو کو غور سے سنے اور اپنے کسی ایسے Class fellow کے ساتھ اسکا مباحثہ و مذاکرہ کرے کہ جو اس کی طرح بلند مقاصد اور اعلیٰ علمی مراتب کو حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اسی طرح میری طالبات بیٹیوں کو بھی چاہیے کہ اپنے ساتھ پڑھنے والی کسی شریف اور لائق لڑکی کے ساتھ مل کر پڑھے گئے ابواب اور مضامین کو دہرائیں اور اس کے بارے میں آپس میں مباحثہ کریں۔

اسٹوڈنٹ کو تعلیم اور پڑھائی کی خاطر اپنے آرام اور کھیل کے وقت میں خلل کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے اپنا زیادہ سے زیادہ وقت پڑھائی کے لئے صرف کرنا چاہیے اور ہمیں دیکھنا چاہیے کہ سب سے افضل اور اشرف مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ تو ہم کہہ چکے ہیں سب سے افضل و اشرف چیز علم ہے اور اس کے حصول کا مقصد بھی سب سے اشرف ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ جو شخص بھی کسی بڑی چیز کی تمنا کرتا ہے اسے راتوں کو جاگنا ہی پڑتا ہے ایک شاعر کہتا ہے:

من رام وصل الشمس حاك خيوطها

سببا الى آمله و تعلقا

یعنی: جس کا ارادہ سورج تک پہنچنے کا ہو وہ سورج کے دھاگوں (کرنوں) کی رسی بن کر اوپر چڑھتا ہے اور یہ اس کی نیت اور اس کے ساتھ تعلق کا نتیجہ ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

لَنْ تَنالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَ ما تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (سورہ آل عمران ۹۲)

یعنی: تم نیکی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہ خدا میں خرچ نہ کرو اور جو بھی تم خرچ کروگے خدا اس سے باخبر ہے۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ انسان کے نزدیک سے محبوب ترین چیز اس کی زندگی اور صحت ہوتی ہے اور علم و تعلیم سے زیادہ کوئی چیز پاکیزہ اور مقدس نہیں ہو سکتی کیونکہ علم و تعلیم سے ہی قومیں زندہ ہوتی ہیں، علم سے ہی دوسری قوموں سے برتری سربلندی اور کامیابی حاصل ہوتی ہیں، تعلیم اور علم سے ہی خدا کی عبادت ہوتی ہے اور دین پہچانا جاتا ہے۔ پس اسٹوڈنٹ کو چاہیے کہ سب سے بڑی نیکی کے حصول یعنی علم کے حصول کے لئے زندگی اور آرام سے بھی بڑھ کر جو چیز ہو اسے بھی قربان کر دے۔

خدا تک پہنچانے والے رسل و اولیاء کا ہر غلطی سے پاک ہونا کیوں ضروری؟

سماحۃ آیۃ اللہ العظمیٰ المرجع الدینی الکبیر

الشیخ بشیر حسین النجفی

دام ظلہ الوارف

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم نہیں ہیں (العیاذ باللہ) اور بعض کا کہنا ہے کہ فقط بعثت کے بعد معصوم ہیں اور اسی طرح کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف احکامِ شریعت کی تبلیغ میں معصوم ہیں اس کے علاوہ معصوم نہیں ہیں ان اقوال کے علاوہ اور بھی بہت سارے قول ہیں ہماری جناب سے ملتمس ہے کہ وہ موضوعِ عصمت کے بارے میں حق کو بیان فرمائیں خداوندِ عالم اس کا اجرِ جزیل عطا فرمائے؟

سب سے پہلے ضروری ہے کہ آپ یہ جانیں کہ عصمت کے معانی و مطلب کیا ہیں لغت کے اندر لفظِ عصمت عصم یعصم کے مادہ سے لیا گیا ہے جس سے مراد حفاظت کرنا یا روکنا لیا جاتا ہے اور اصطلاح میں عصمت سے مراد وہ لطفِ الٰہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فقط انہی پر کرتا ہے اور وہ لطف اس طرح ان پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد فرماتا ہے کہ وہ لوگ قدرت رکھنے کے باوجود گناہوں کو ترک کر دیتے ہیں اور اپنے فرائض کو بجالاتے ہیں اور لطف سے مراد وہ عطاء پروردگار ہے جو نفس کو محفوظ رکھنے میں مدد دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ فقط اسی بندے پر یہ عطا کرتا ہے جس کے اندر مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں :

۱:اس شخص کے نفس یا بدن کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ وہ اپنے نفس کو غلطیوں سے بچانے کی قدرت و طاقت رکھتا ہو۔

۲: وہ شخص گناہوں کے نتائج سے باخبر ہو چاہے وہ (العلم المکشوف والیقین المشھود) کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔

۳: ترک اولیٰ کرنے پر اس شخص کا مؤاخذہ اور پکڑ کی جائے بلکہ وہ غیر واجب امور کا بھی نفس کو پابند رکھے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے معصوم ہونے کی تصدیق کی جائے۔

۴:ان مذکورہ نکات کے ساتھ اس بات کا اضافہ کیا جائے کہ اس شخص کو امتحان سے گزارا جائے جیسا کہ آپ دعائے ندبہ کے درجہ ذیل جملوں میں پڑھتے ہیں کہ (اے پروردگار جب تو نے ان ہستیوں کے لئے اپنی ان عظیم نعمتوں کا ذکر کیا جو نعمتیں ہمیشہ رہنی والی ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی اور زوال نہیں ہے تو یہ سب نعمات پروردگار تو نے اس شرط کے ساتھ دیں کہ یہ ہستیاں اس پست دنیا کے مقام و منصب اور چمک دمک سے دوری اختیار

کریں پس جب انہوں نے اسی شرط کو تسلیم کر لیا تو تو نے ان کی وفا کو جان لیا تو اس وقت تو نے انہیں قبول فرمایا اپنا قرب عطا فرمایا اور ان کے ذکر کو بلند اور مدح و ثنا کو عظیم بنا کر پیش کیا اور تو نے ان پر اپنے ملائکہ نازل فرمائے اور اپنی وحی کے ذریعے انہیں عزت بخشی ان کے اپنے علوم سے نوازا اور ان کو وہ ذریعہ قرار دیا کہ جو تجھ تک پہنچائیں اور وہ وسیلہ کہ جو تیری خوشنودی تک لے جائے)

بے شک رسول اعظم ﷺ اور آئمہ اطہار کی عصمت بلکہ تمام رسولوں کی عصمت کو ان کی رسالت کی اہمیت اور رسول کی منزلت کے ذریعے جانا جا سکتا ہے چونکہ رسول کا وحی کے ذریعے عرش کے ساتھ خاص رابطے کا ہونا ضروری ہے اور یہی امر اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ رسول کےاندر وہ بلند درجہ صفات پائی جائیں کہ جو منصبِ رسالت کے شایان شان ہوں اور رسول کے سپرد کئے گئے فرائض سے میلان رکھتی ہوں اور یہ واضح ہے کہ پیغام کو پہنچانا اور تبلیغ کے قیام کے لئے کوشش اور اس کادفاع کرنا رسول کی ذمہ داریوں میں سے ہے اور رسول کی اطاعت لوگوں پر فرض اور ضروری ہوتی ہے اور رسول کےوصال کے بعد یہ فرائض اور ذمہ داریاں رسول کے نائب اور وصی کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں کیونکہ وہی رسول کے پیغام کو پھیلانے والے اور اس کے محافظِ اعظم ہوتے ہیں اسی بنا پر ان اوصیاء میں تمام صفات پائی جاتی ہیں جو نبی میں پائی جاتی ہیں سوائے عہدہ نبوت کے ۔

میرے بیٹے ! شائد آپ سوال کریں کہ عصمت کی دلیل کیا ہے تو ہم مختصراً یوں کہیں گے کہ :

عصمت کوثابت کرنے کےلئے دوطرح کی دلیلیں دی جاسکتی ہیں عقلی او ر نقلی

☆☆دلیل عقلی ☆☆

کو مختصراً درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے :

خالق و مخلوق کے درمیان واسطے اور رابطے کے دعوے دار کے لئے ضروری ہے کہ وہ گناہوں کے ارتکاب سے پاک و مبرا ہو اور اس کی وضاحت ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ اس مقام پر تین چیزیں ہیں :

۱: معصیت یعنی گناہ ۔ ۲: عاصی یعنی گناہگار ۔ ۳: معصی یعنی جس کی نافرمانی کی جائے۔

۱: معصیت یعنی گناہ چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ گناہ چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ لوگ اس کے مرتکب ہونے والے سے نفرت کرتے ہیں ۔

۲: عاصی یعنی گناہگار کے لحاظ سے ! چونکہ خالق و مخلوق کے مابین واسطہ خود نبی یا امام ہوتا ہے لہٰذا ان کا یہ بلند و بالا مقام و منزلت اس مقام کی حساسیت اور قربِ خدواندی ان ہستیوں کوگناہوں کے ارتکاب سےروکتا ہے جیسا کہ کہا جاتاہے کہ) نیک کاروں کی نیکیاں مقربین کےلئے بدی کا درجہ رکھتی ہیں (

۳: معصی یعنی جس کی نافرمانی کی جائے ! پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ذات عظیم ہے تو لہٰذا اس کی نافرمانی بھی عظیم ہوگی ۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ گناہوں کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ تم کس ہستی کے خلاف جرات و نافرمانی کر رہے ہو لہٰذا نفس انسانی اس شخص کی طرف جھکاؤ رکھتاہے جوگناہ کا مرتکب نہ ہوتا ہو ۔

۲: عقلی دلیل کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر خالق و مخلوق کے مابین رابط و واسطہ بننے والا شخص اگرگناہ کا مرتکب ہوگا تو وہ فاسق ہوجائے گا لہٰذا اس کی گواہی کو رد کر دیا جائے گاجیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے (**يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جاءَكُمْ فاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا** : اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو (الحجرات ۶)

۳: اگر اس واسطہ بننے والے انسان سے گناہ سرزد ہو تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا اور اجتماع نقیضین محال ہے اور وہ اس طرح کہ یہ شخص تمام لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ گناہ کے مرتکب نہ ہوں اور وہ خودگناہ کرتا ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ پہلی صورت میں اس کی اطاعت ضروری تھی اور دوسری صورت میں اس کی اطاعت سے منع کر دیا گیا لہٰذا اطاعت کا حکم دینا اور پھر اس سے روکنا یہ دونوں آپس میں نقیضین ہیں اور کبھی بھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔

۴: جب وہ شخص جو واسطہ اور رابط بن رہا ہے گناہ کا مرتکب ہوگا تو ظالم بن جائے گا اور لعنت کا مستحق ہوگا کیونکہ جو بھی گناہ کر کے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مصداق بن جاتا ہے کہ (الا لعنۃ اللہ علی الظالمین)

۵: اگرواسطہ بننے والا شخص گناہ کا مرتکب ہوگا تو اس کی اہانت و ملامت کی جائے گی کیونکہ فرمانی خداوندی ہے (**أَ تَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ** : کیا تم (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو؟(البقرہ: ۴۴))اور عقل انسانی ہر اس شخص کے واسطے کا انکار کرتی ہے جو بھلائی کو جانتے ہوئے بھی اس کے برعکس کام کرے۔

☆☆دلیل نقلی:☆☆

مذکورہ بالا ادلہ عقلیہ تھیں۔ اب آپ کے سامنے چند نقلی دلیلوں کو ذکر کیا جاتا ہے:۔

☆ ۱:اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعينَ إِلَّا عِبادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصينَ**: کہنے لگا: مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکا دوں گا سوائے تیرے خالص کئے گئے بندوں کے (سورۃ ص ۸۲و۸۳)

یہاں پر لفظ مخلصین سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن کو بہکانے میں شیطان کوئی رغبت نہیں رکھتا بلکہ ان کو بہکانے کی قدرت ہی نہیں رکھتا اور شیطان کی اس مایوسی کا سبب ان لوگوں میں پائی جانے والی وہ صلاحیت و ملکہ ہے جو ان لوگوں کو گمراہی و ضلالت اور گناہوں میں مبتلاہونے سے مبرا و محفوظ رکھتی ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ یہاں پر لفظ مخلص لام پر فتح (زبر)کے ساتھ ہے جو کہ لفظ معصوم کے برابر معنی میں ہے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ صفت مخلص کا فقط انبیاء کے ساتھ خاص ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے تو ہم اس کو یہ جواب دیں گے کہ اگر یہ صفتِ مخلص فقط انبیاء کے ساتھ خاص نہیں ہے تو بلا شک و شبہ انبیاء کوشامل تو ہے اور اسی مقام پر ایسی آیات موجو د ہیں جو اس صفت کی بعض انبیاء کیساتھ نسبت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جیسا کہ ارشاد خداوند ہے:

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتابِ مُوسى‏ إِنَّهُ كانَ مُخْلَصاً وَ كانَ رَسُولاً نَبِيًّا (سورہ مریم :۵۱))

اور اپنی کتاب میں موسیٰ علیہ السّلام کا بھی تذکرہ کرو کہ وہ میرے مخلص بندے اور رسول و نبی تھے۔

اور اسی کی نظیر سورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

كَذلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَ الْفَحْشاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبادِنَا الْمُخْلَصينَ (سورہ یوسف ۲۴

ہم نے اس طرح کا انتظام کیا کہ ان سے برائی اور بدکاری کا رخ موڑ دیں کہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے)

☆☆ ۲:اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا أَطيعُوا اللَّهَ وَ أَطيعُوا الرَّسُولَ (سورہ نساء ۵۹

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

اور یہ ارشاد:

وَ ما أَرْسَلْنا مِنْ رَسُولٍ إِلاَّ لِيُطاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (نساء ۶۴)

اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس لیے بھیجا ہے کہ باذن خدا اس کی اطاعت کی جائے۔

واضح امر یہ ہے کہ انبیاء کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے طول میں واقع ہوا ہے پس چونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بغیر کسی قید و شرط کے ہے لہٰذا انبیاء کی اطاعت بھی بغیر کسی قید و شرط کے ضروری ہے۔ کیونکہ اطاعت انبیاء اطاعت خداوندی کا ذریعہ ہے اور اگر کسی ایسے شخص کی اطاعت کا حکم دیاجائے جو خطا اور غلطیاں سرانجام دے تو یہ اس حکم اطاعت کے خلاف ہوگا۔

☆☆☆ ۳:اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قالَ لا يَنالُ عَهْدِي الظَّالِمينَ (بقرہ۱۲۴)

ارشاد فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں جو بھی گناہ انجام دے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور انبیاء چونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغام رساں ہوتے ہیں اور منصبِ الٰہی کے نمائندے ہوتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ گناہ اور خط رسالت سے انحراف سے پاک و پاکیزہ ہوں اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی آیات ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے پس وضاحت کے طالب اس موضوع کے مصادر کی طرف رجوع کریں اس موضوع عصمت سے متعلق کلمہ حق کہ جس کو مذہب حق شیعہ اثنا عشریہ نے اختیار کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم اور آئمہ اطہار علیہم اور تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین سے کبھی بھی کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ عمداً یا سہواً سرزد نہیں ہوتا اور اپنی ولادت سے لیکر وفات تک احکام کی تاویل میں ان سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ ما يَنْطِقُ عَنِ الْهَوى‏ إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحى‏ (سورہ نجم ۴،۳)

اور وہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتا ہے اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کریت ہے کہ رسول اکرم وحی خداوندی کے بغیر کلام نہیں کرتے اور سیاق آیت ہر قسم کی خواہشات کی پیروی کی نفی پر دلالت کررہا ہے نہ کہ فقط قرآن کرم کے مورد میں۔ اور یہاں پر کوئی بھی قرینہ مقالیہ یا مقامیہ موجود نہیں ہے جو کسی تقیید کا موجب بن سکے اور واضح ہے کہ جس شخص کی زندگی طرح طرح کے صغیرہ و کبیرہ اور نفرت آمیز گناہوں میں صرف ہو چکی ہو وہ اپنے نفس کو اطاعت پروردگار پر کاربند نہیں بنا سکتا ۔(واللہ العالم)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انسانی زندگی پر گناہوں کے اثرات

قرآن اور احادیث کی روشنی میں

مولانا علی حیدر

گناہ کے لیے عربی زبان میں درجہ ذیل الفاظ استعمال ہوئے ہیں: ذنب، سیئۃ،اثم ، فواحش اور لمم وغیرہ ۔

گناہ سے مراد ہر وہ کام جو شرع مقدس اسلام کے خلاف ہے۔گناہوں کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں ۔گناہ کبیرہ وگناہ صغیرہ

گناہ کبیرہ: وہ گناہ جس پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی سزا رکھی ہے۔

صغیرہ گناہ: وہ ہیں جس کے بعد انسان احساس گناہ کرے اور استغفار کرے۔

دور حاضر میں گناہ کے اثرات ایسا موضوع ہے جس پر اہل قلم ، اہل منبر و اہل درس کوشش کرکے اس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے ۔ اس موضوع کے واضح نہ ہونے کی وجہ سے دور حاضر میں گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا ہے اور بہت سارے غیر شرعی کام کھلے عام سرانجام دئے جاتے ہیں۔

اللہ نے انسان کو دو(جسم ، روح) چیزوں سے مرکب پیدا کیا ہے۔ انسان کا سفر بھی سنت الٰہی کے تحت جاری ہے ۔ جسطرح انسان جسمانی لوازم کے لئے کام کرتا ہے تو ان کا میسر آنا لازمی سی بات ہے اسی طرح انسان جب اخلاق و معنویت کے لئے کام کرتا ہےاخلاقی و معنوی کمال کا نصیب ہونا لازمی ہے۔

اگر انسان معنویت کے منافی اعمال بجالاتا رہے گا تو انسان کی انفرادی ، روحانی اور اجتماعی زندگی میں ان کا اثر ظاہر ہونا بھی اوضح الواضحات میں سے ہے۔

قرآن مجید اور احادیث میں گناہوں کے اثرات کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ذیل میں گناہوں کے اثرات کا ذکر اسانید سے رہنمائی کی خاطر کرنے کی ایک حقیر کوشش ہوگی۔

قرآن اور احادیث کی روشنی میں گناہوں کے اثرات :

قرآن میں متعدد آیات میں گناہوں کے اثرات کا تذکرہ موجود ہے۔او ر ظاہری اور باطنی دونوں گناہوں سے بچنے کا حکم ہوا ہے۔

وَ ذَرُوا ظاهِرَ الْإِثْمِ وَ باطِنَهُ إِنَّ الَّذينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِما كانُوا يَقْتَرِفُونَ (سورہ انعام آیت ۱۲۰)

اور تم ظاہری اور پوشیدہ گناہوں کو ترک کر دو، جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں بے شک وہ عنقریب اپنے کیے کی سزا پائیں گے ۔

ظاہری گناہ سے مراد جو اعضا و جوارح سے صادر ہوں جیسے غیبت ، جھوٹ، چوری وغیرہ اور پوشیدہ گناہ وہ ہیں جو دل میں رکھے جائیں مثلاحسد،حرص اوربغض وغیرہ۔

گناہ چاہے ظاہری ہو یا باطنی اس کا اثر ہوتا ہے لہٰذا اسی لئے دونوں سے منع کیا ہے۔چونکہ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔او ر جب اللہ نے منع کیا ہے تو اس میں مفسدہ کا ہونا یقینی ہے۔اس مفسدہ کا ذکر ایک اور آیت میں اس طرح ہوا ہے :

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّىٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَن دَسَّىٰهَا (سورہ شمس آیت ۹ ،۱۰)

بے شک جس نے اسے پاک رکھا کامیاب ہوا ، اور جس نے آلودہ کیا نامراد ہوا۔

جس نے نفس کو اپنی پاک حالت میں رکھا اور آلودہ نہ ہونے دیا وہ کامیاب اور نجات یافتہ ہوا اور جو منفی طاقتوں کا شکار رہا وہ ناکام رہا۔گناہ ایک منفی شئی

ہے اس کا انجام دینے سے انسان فطرت کی پاکیزگی کو کھولیتا ہے۔سورہ مبارکہ المطففین آیت ۱۴ میں گناہ کے اثر کو واضح انداز میں بیان کیا ہے:

کَلاَّ بَلْ رانَ عَلی قُلُوبِهِمْ ما کانُوا یَکْسِبُون (المطففین آیت ۱۴)

"ہر گز نہیں! بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں"

برے اعمال کی وجہ سے نفس انسانی پر درجہ ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں:

۱۔ حق سمجھنے میں مانع ہوتے ہیں۔

۲۔ روح انسانی فطری شفافیت کو کھو لیتی ہے۔

۳۔گناہ ہی کی وجہ سے دوسرے گناہ کا مرتکب ہونا پڑتا ہے۔

گویا گناہ کی وجہ سے انسانی قلب بیمار ہوجاتا ہے۔ اور جس طرح جسم انسانی کی بیماری ہوتی ہے اسی طرح دل کی بھی بیماری ہے اور دل کی بیماری گناہ ہے۔

حضرت علیؑ کا ارشاد مبارک ہے کہ "آدمی کے جسم کی چھ حالتیں ہوتی ہیں:

صحت اور بیماری، یا حیات اور بیداری، یا موت و حیات

اسی طرح انسانی روح کی بھی یہی چھ حالتیں ہیں۔ روح کی حیات اس کا علم ہے اور موت اس کا جہل ہے۔ روح کی بیماری اس کا شک میں مبتلا ہوجانا ہےاور اسکی صحت یقین ہے۔ روح کی نیند غفلت میں پڑنا ہے جبکہ روح کی بیداری روح کو غفلت سے دور کرنا ہے۔(بحار ج ۱۴ص ۳۹۸)

روح پر گناہ کا اثر ہ کی وجہ سے روح مردہ ہوجاتی ہے۔حدیث میں اس آیا ہے۔:جب انسان گناہ کرتا ہے تو دل میں ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کرے تو داغ ختم ہوجاتا ہے۔ اگر استغفار کرے تو صاف ہوتاجا ہے۔ اگرگناہ کا سلسلہ جاری رکھا تو زنگ میں اضافہ ہوجاتا ہے "(توحید شیخ صدوق ص ۴۶۵، کافی ج ۴ باب گناہ)

سورہ زلزال کی وہ مشہور آیت ۷ اور ۸ سے اس حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال تمام تر چاہے اعمال نیک ہوں یا بد قیامت کے دن مشاہدے میں آئیں گے۔

فَمَن یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَرَهُ وَ مَن یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَرَهُ

"جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ سے بھی دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو وہ اسے بھی دیکھ لے گا"

اس آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے گناہوں کا اثر ہے منتہیٰ اس بات میں مختلف نظریے ہیں کہ انسان قیامت کے دن خود اسی عمل کو دیکھ لے گایا وہ عمل کسی توانائی کی شکل میں نظر آئے گا۔

سورہ مبارکہ انشقاق میں انسان کو بروز قیامت دیئے جانے والے نامہ عمل کا انتہائی خوبصورت انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ اس روز مومن نامہ اعمال دیکھ کر مسرور اور کافر، بدکار اور گناہ گار اپنے نامہ عمل کو دیکھ موت کو پکاریں گے۔

وَ أَمَّا مَنْ أُوتیَ کِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِه،فَسَوْفَ یَدْعُواْ ثُبُورًا،وَ یَصْلَی سَعِیرًا،إِنَّهُ کَانَ فِی أَهْلِهِ مَسْرُورًا (سورہ انشقاق آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲)

اور جس کے نامہ اعمال اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے، پس وہ موت کو پکارے گا، اور وہ جہنم میں جھلسے گا، بلا شبہ یہ اپنے گھر والوں میں خوش رہتا تھا۔

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دنیاوی زندگی میں لھو و لعب میں مبتلا ہو کر مقصد حیات کو فراموش کرکے معصیت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ان کے اعمال بد کا انجام آج ان کو مل رہا ہے۔

گناہوں کے اثرات کے بارے میں سورہ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہورہا ہے:

إِنَّ الَّذینَ یَأْکُلُونَ أَمْوالَ الْیَتامی ظُلْماً إِنَّما یَأْکُلُونَ في بُطُونِهِمْ ناراً وَ سَیَصْلَوْنَ سَعیراً

جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بس آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد ہی جہنم کی بڑھکتی آگ میں تپائے جائے گے۔ (سورہ نساء آیت ۱۰)

تفسیر الکوثر میں اس آیت کی تفسیر میں مفسر نے بیان کیا ہے کہ یتیم کا مال کھانا پیٹ میں آگ بھرنا ہے اس تعبیر سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ اعمال کی سزا اور جزاقراردادی نہیں بلکہ طبعی ہے۔ یعنی گناہ کا ایک طبعی نتیجہ ہوتا ہے جو ارتکاب کرنے والے کے عذاب پر منتج ہوتا ہے۔ چنانچہ یتیم کا مال کھانے کا طبعی نتیجہ آگ ہے۔۲۔اعمال مجسم ہو کر سامنے آئیں گے۔

ان دونوں تفاسیر سے واضح ہوجاتا ہے کہ گناہ کا اثر یقینی ہے۔

انسانی زندگی پر گناہ کا اثر ہونا اس آیت سے بھی واضح ہوتا ہے:

إِنَّ الَّذینَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطانُ بِبَعْضِ ما کَسَبُوا وَ لَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلیم (سورہ آل عمران آیت ۱۵۵)

دونوں فریقوں کے مقابلے کے دن تم میں سے جو لوگ پیٹھ پھیر کر گئے بلا شبہ ان کی اپنی بعض کرتوتوں کی وجہ سے شیطان نے انہیں پھسلادیا تھاتاہم اللہ نے انہیں معاف کر دیا، یقینا اللہ بڑادر گزر کرنے والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ سے فرار جو کہ گناہ کبیرہ میں سے

ہے کسی سابقہ گناہ کا ایک لازمی نتیجہ تھا جس کی وجہ سے شیطان کو لغزش پیدا کرنے کا موقع ملا۔ایک گناہ سے انسان دوسرے گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

ان آیات سے واضح ہوجاتا ہے کہ گناہوں کے اثرات ہیں۔گناہوں کے کونسے اثرات ہیں ان کو آئندہ سطور میں بیان کیا جائے گا۔

ذیل میں گناہوں کے چند اثرات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

گناہوں کے معنوی اثرات:

گناہ کے نتیجے میں انسانی زندگی پر جو سب سے بڑا اثر ہوتا ہے وہ ہے معنویت و روحانیت کا خاتمہ ۔گناہ کی وجہ سے انسان کی روح داغدار ہوجاتی ہے۔

اس حقیقت کو کلام لاریب میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

كَلاَّ بَلْ رانَ عَلى قُلُوبِهِمْ ما كانُوا يَكْسِبُونَ (المطففین آیت ۱۴)

ہر گز نہیں! بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہوچکے ہیں ۔

یہ دل کی بیماری ہی ہے جسے دین اسلام میں سب سے بڑی بیماری قرار دیا گیا ہے۔فرمان مبارک امیر المؤمنین علیہ السلام ہے :

"آگاہ ہو جاؤ کہ بلاؤں میں سے ایک فاقہ کشی ہے ۔ اور اس سے زیادہ اور سخت بدن کا مرض ہے اور بدن کے مرض سے زیادہ سخت دل کا مرض ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دل تمام آلودگیوں اور معصیتوں سے پاک ہو۔(نہج البلاغہ ۔ ۳۸۸)

دل کی بیماری کا ذکر سورہ بقرہ میں منافقین کی نشانیوں کے تحت بیان ہوا ہے :

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُواْ يَكْذِبُونَ

ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھا دی اور ان کے لیے ایک دردناک عذاب اس وجہ سے ہے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

منافقین کی دروغ گوئی اور اعمال بدگناہوں میں اضافے کا سبب ہے۔

بنی اسرائیل کا حکم خدا سے انکار کرنا اور حجت خدا کو رد کرنا ان کے اعمال بد اور گناہوں کی وجہ سے ہی تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَالِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَ إِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الأَنْهَارُ وَ إِنَّ مِنهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَ إِنَّ مِنهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَ مَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُون (سورہ بقرہ آیت ۷۴)

پھر اس کے بعد بھی تمہارے دل سخت رہے، پس وہ پتھر کی مانند بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، کیونکہ پتھروں میں سے کوئی تو ایسا ہوتا ہے جس سے نہریں پھوٹتی ہیں اور کوئی ایسا ہے کہ جس میں شگاف پڑ جاتا ہے تو اس سے پانی بہ نکلتا ہے اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو ہیبت الٰہی سے نیچے گر پڑتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے ۔

گناہوں میں ہمیشہ رہنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان جہنمی بن جاتا ہے ۔ گناہ کی وجہ سے نہ قبول حق کی صفت ختم ہوجاتی ہے بلکہ حق کی مخالفت بھی ہوجاتی ہے۔نیز جمادات سے بھی انسان گناہ کی وجہ سے بد تر ہوتا ہے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا   مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

قرآن مجید میں یہودیوں کے اس عقیدے کا ذکر ہے کہ جس میں انہوں نے اخروی نجات صرف اپنے لئے مخصوص کی ہے ۔ اور ساتھ ہی یہودیوں کے اس عقیدے کو پروردگار عالم نے اس طرح رد کیاہے کہ :

قُلْ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ هَادُواْ إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُاْ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ،وَ لَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِين

کہدیجئے: اے یہودیت اختیار کرنے والو! اگر تمہیں یہ زعم ہے کہ تم اللہ کے چہیتے ہو دوسرے لوگ نہیں تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔اور یہ اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کے سبب موت کی تمنا ہر گز نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

"اگر دار آخرت صرف تمہارے لئے ہے تو تم موت کی آرزو کرو ۔ اور وہ موت کی آرزو نہیں کرے گے ان گناہوں کی وجہ سے جو انہوں نے کیا ہے"

یہودیوں کا موت کی تمنا نہ کرنا گناہ ہی کی وجہ سے ہے ۔ جبکہ علیؑ کا فرمان مبارک ہے کہ" واللہ فرزند ابو طالب موت سے اس قدر مانوس جس قدر شیر خوار بچہ ماں کی دودھ سے"

گناہ و ظالم کا مسلط ہونا:

گناہ کا ایک برا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ ایک ایسے حکمران کو مسلط کرتا ہے جوظالم و کافر ہوتا ہے۔

"امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو کوئی میری معرفت رکھتے ہوئےگناہ کرتا ہے۔۔۔۔۔ بقیہ ص ۱۹ پر ۔۔

قبلہ کی تبدیلی کیوں؟

مولانا محمد حسین مطہری

قَدْ نَرى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّماءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضاها فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرام

ترجمہ: ہم آپ کو بار بار آسمان کی طرف منہ کرتے دیکھ رہے ہیں، سو اب ہم آپ کو اسی قبلے کی طرف پھیر دیتے ہیں جسے آپ پسند کرتے ہیں، اب آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کریں۔(سورہ بقرہ ۱۴۴)

مقدمہ: خانہ کعبہ جو مسلمانوں کا قبلہ اور مرکز ہے جس کی طرف تمام مسلمان بالاتفاق اپنی پانچ وقت کی نمازوں میں رخ کرتے ہیں یہ دنیا کا پہلا گھر تھا جو عبادت کی خاطر تعمیر ہوا جسے حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھااور گردش زمانہ سے اس عمارت کے آثار ہی باقی رہ گئے تھے حضرت ابراہیمؑ اپنے وطن سے ہجرت فرما کر فلسطین آئے تو اللہ تعالی نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے فرزند اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لے کر بلاد عرب کی طرف ہجرت کریں چنانچہ حضرت خلیل اللہ مکہ میں تشریف لائے اور حضرت اسماعیل جوان ہوئے تو ان کی مدد سے حضرت ابرہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا جس کی طرف قرآن میں اشارہ کرتے ہوئے خدا وندِ عالم نے فرمایا کہ:

وَ إِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ إِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيم

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم و اسماعیل اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے،(دعا کر رہے تھے کہ) اے ہمارے رب! ہم سے (یہ عمل) قبول فرما،یقینا تو خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔

اس قرآنی تعبیر کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں حضرت ابراہیم اور اسماعیلؑ اس کی صرف تعمیر نو کر رہے تھے اور دیگر قرآنی آیات سے بھی یہ بات ظاہر ہے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم اور اسماعیلؑ کے تعمیر نو کرنے سے پہلے موجود تھا جیسا کہ خود حضرت ابراہیمؑ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ جب اسماعیل اور ھاجرہ کو مکہ کی سرزمین پر لایا تو اپنے پروردگار سے خطاب کرکے فرمایا:

رَبَّنا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتي بِوادٍ غَيْرِ ذي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنا لِيُقيمُوا الصَّلاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوي إِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَراتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُون

اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے محترم گھر کے نزدیک ایک بنجر وادی میں بسایا، ہمارے پروردگارا! تاکہ یہ نماز قائم کریں لہٰذا تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ یہ شکر گزار بنیں۔(سورہ ابراہیم ۳۷)

بلکہ یوں کہوں کعبہ کی تاریخ اور انسانی تاریخ ایک ساتھ چلی ہے اور کعبہ اس وقت سے محترم اور مقدس رہا ہے جب سے اس دنیا میں بنی نوع انسان نے قدم رکھا اور کعبہ ہر زمانے میں لوگوں کے لئے مرکز اور مرجع رہا ہے اور کعبہ ہی وہ جگہ ہے کہ جہاں ابو البشر حضرت آدم کا نزول ہوا اور نسل انسان کی دعوت دہی کا اہتمام ہوا اور کعبہ ہی انقلاب انبیاء کا مرکز و محور رہا ہے لہٰذا لفظ کعبہ کی قدامت ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے جبکہ اس کے برعکس بیت المقدس کے لئے اس طرح کی کوئی تاریخ نہیں ہے بلکہ معروف یہ ہے کہ بیت المقدس کے بنیاد گزار اور تعمیر کرنے والے حضرت یعقوب تھے جو کہ حضرت اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے فن تعمیر کا یہ کام اپنے جد ابراہیم کے آثاراور تعمیرات سے سیکھا۔جب کعبہ کی تاریخی حقیقت ایسی ہے اور تمام انسانوں کی نظر میں کعبہ محترم اور مقدس جگہ ہے تو سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ خاتم الانبیاء کی اقدار بعثت سے ہی خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ اور مرکز کیوں قرار نہیں دیا اور ایک عرصے تک بیت

المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے بعد کن اسباب اور وجوہات کی وجہ سے مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے تبدیل کر کے خانہ کعبہ کو قرارد یا گیا ؟ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دینے کا زمانے کے اوپر کیا اثر ہوا اور ان کو کیا فائدہ ہوا؟

یہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے اس کا جواب خود قرآن مجید کے اندر موجود ہے اس کے علاوہ علماء اور مفسرین نے کئی وجوہات بیان کی ہیں ۔ قرآن مجید میں خدا وندِ عالم نے تحویل قبلہ کے پیچھے جو حکمت اور فلسفہ تھا اسے یوں بیان فرمایا :

وَ ما جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتي كُنْتَ عَلَيْها إِلاَّ لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلى عَقِبَيْهِ وَ إِنْ كانَتْ لَكَبيرَةً إِلاَّ عَلَى الَّذينَ هَدَى اللَّهُ

ترجمہ :اور آپ پہلے جس قبلے کی طرف رخ کرتے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا تاکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والوں کو الٹ پھر جانے والوں سے پہچان لیں اور یہ حکم اگرچہ سخت دشوار تھا مگر اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ لوگوں کے لئے اس میں دشواری نہیں ۔(بقرہ آیت 142)

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کعبہ بھی اگرچہ ب مسلمانوں کا قبلہ تھا لیکن ابتدائے بعثت سے اس کو مسلمانوں کا قبلہ قرار نہیں دیا بلکہ مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ دیکھیں کہ کون لوگ سابقہ روایات اور قومی تعصب اور گروہی ترجیحات کے پرستار ہیں اور کون لوگ ہیں جو ان فرسودہ خیالات سے آزاد ہو کر سچے دل سے حکم رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہیں اور کون لوگ ہیں جو آبائی اور قبائلی اعتبار سے قبلے کو تسلیم کرتے ہیں اور کون لوگ ہیں جو قبلے کو فرمان الٰہی کے تحت مانتے ہیں؟

در حقیقت بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنانا ایک طرف تو عربوں کی قوم پرستی ، نسل پرستی پر ایک کاری ضرب اوران کے لئے آزمائش اور امتحان تھا تو دوسری طرف نسل پرست اور متصب بنی اسرائیل کے لئے ناقابل تحمل امر تھا۔

دوسرا جواب جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا وہ یہ ہے کہ چونکہ یہودی مسلمانوں پر یہ طنز کرتے تھے کہ تمہارا اپنا کوئی قبلہ نہیں ہے تم ہمارے قبلے کی طرف رخ کرتے ہو لہٰذا ہمارا مذہب اصل مذہب ہے اور حق ہے ۔ رسالتمآب ﷺ اس بات سے غمزدہ ہوتے تھے اور آپ رات کے وقت بار بار آسمان کی طرف نگاہ کرتے تھے کہ شاید اللہ تعالی کی طرف سے اس طعنے کا کوئی جواب نازل ہو لذا خداوند عالم نے اپنے حبیب کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے آیت نازل کی کہ :

قَدْ نَرى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّماءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضاها

اے حبیب ہم آپ کو بار بار آسمان کی طرف نگاہ کرتے دیکھ رہے ہیں لہٰذا ہم آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔(سورہ بقرہ ۱۴۴)

اور اس آیت کریمہ سے نبی اکرم ﷺ کا مقام و مرتبہ بھی بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ خداوند دعالم نے آپ کی رضایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو آپ کے پسندیدہ قبلہ کی طرف پھیر دیں گے ، یہ نہیں فرمایا کہ آپ کو ہم اپنے پسندیدہ قبلے کی طرف پھیریں گے ۔

کعبہ نبی اکرم ﷺ کی نظر میں کیوں پسندیدہ تھا اس کے جواب میں علماء فرماتے ہیں چونکہ کعبہ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے آباء و اجداد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی یادیں وابستہ تھیں۔

تیسرا جواب جسے استاد محترم قبلہ شیخ محسن علی نجفی نے الکوثر فی تفسیر القرآن میں یوں ذکر فرمایا کہ چونکہ قبلے کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے اس لئے جب تک امامت اور رہبری اولادِ اسحاق کے پاس تھی یہ خصوصیت بیت المقدس سے وابستہ رہی چونکہ اولا د اسحاق کی یادیں فلسطین اور بیت المقدس سے مربوط تھیں لیکن جب امامت عظمیٰ کا سلسلہ اولاد اسحاق سے منتقل ہو کر اولاد اسماعیل کے پاس آیا تو ان کا مرکز بھی بیت المقدس سے منتقل ہو کر بیت الحرام کی طرف آیا کیونکہ دین ابراہیمی اور نسل اسماعیل کی لازوال عظمتیں خانہ کعبہ کے ساتھ وابستہ تھیں ۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ خود یہ سوال کہ کن وجوہات کی بناء پر بیت المقدس سے قبلے کو تبدیل کرکے کعبہ کی طرف منتقل کر دیا گیا غیر معقول ہے اس لئے کہ جس خالق نے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا تھا اسی نے کعبہ کو قبلہ قرار دیا اور اللہ کے فیصلے پر اعتراض نامعقول ہے اور بیت المقدس یا کعبہ میں سے کسی کو کوئی ذاتی خصوصیت حاصل نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر قبلہ صرف وہی ہو سکتا ہو، بلکہ قبلہ قرار پانے کےلئے جگہ کے تقدس کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضایت اور فیصلہ بھی معیار ہے کیونکہ قبلہ اس کے حکم سے بنتا ہے اسی وجہ سے جب یہودیوں نے تحویل قبلہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ :

مَا وَلَّئهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُواْ عَلَيْهَا (بقرہ 142)

جس قبلے کی طرف یہ رخ کرتے تھے اس سے انہیں کس چیز نے پھیر دیا ؟ اس اعتراض کے جواب میں خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ :

قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِى مَن يَشَاءُ إِلىَ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيم

اے رسول ان سے کہہ دیں کہ مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں جسے چاہتا ہے راہ راست کی ہدایت فرماتا ہے ۔ (سورہ بقرہ ۱۴۲)

یعنی خدا کسی سمت میں محدود نہیں ہے کہ اس سمت کی طرف رخ نہ کرنے سے اللہ کی روگردانی لازم آتی ہو بلکہ اللہ ہر جگہ موجود ہے جسطرف بھی رخ کروگے اللہ کو ہی پاؤگے پس بندوں پر لازم ہے کہ وہ حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے جس طرف اللہ رخ کرنے کا حکم کرے اسی طرف رخ کریں۔

دوسرا سوال کہ تحویل قبلہ سے مسلمانوں کو کیافائدہ ہوا؟

تحویل قبلہ سے مسلمانوں کو بہت سے فائدے ہوئے ۔

1: مسلمانوں کو ایک مرکز مہیا ہو اجس کی طرف تمام دنیا سے مسلمان سفر کر کے آنے لگے اور مسلمانوں کو ایک تشخص ملا اور یہودیوں سے مکمل طور پر منفرد ہوگئے اب یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جہت مشترک نہ رہی، نہ عقیدہ توحید، نہ رسالت، نہ امامت اور نہ دیگر اعمال، جبکہ پہلے قبلہ ایک جہت مشترکہ تھی اور کعبہ کو قبلہ قرار دینے کے بعد یہ جہت مشترکہ بھی ختم ہو گئی اور اللہ تعالی نے اپنے حبیب سے یہ فرما دیا کہ یہود کسی بھی صورت آپ سے راضی ہونے والے نہیں ہیں مگر یہ کہ آپ ان کے دین کو اختیار کر لیں۔

2: دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اقتصاد پر تحویل قبلہ کا اثر ہوا اور دور دراز سے لوگ مال تجارت لے کر مکہ کا رخ کرنا شروع کیا جس سے اطرف عالم کی تمام نعمتیں مکہ میں فراوان ہو گئیں اگرچہ یہ اس دعا ابراہیمؑ کا اثر تھا جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے اس گھر کی تعمیر کے وقت کی تھی، فرمایا تھا کہ:

وَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هَاذَا بَلَدًا ءَامِنًا وَ ارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ ءَامَنَ مِنهُم بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الاَخِرِ

اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ابراہیم نے دعا کی: اے رب! اسے امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائیں انہیں ثمرات میں سے رزق عنایت فرما۔(سورہ بقرہ ۱۲۶)

3: جب کعبہ کو قبلہ مسلمین قرار دیا گیا تو مسلمانوں کے لئے اس شہر کو امن کا گہوارہ بنایا اور اس میں ہر قسم کے فتنہ و فساد و لڑائی جھگڑے اور خون خرابے کو ممنوع قرار دیا جہاں پہلے لوٹ مار، قتل و غارت گری ایک رسم بن چکی تھی نہ صرف اس جگہ کو انسانوں کے لئے امن و آشتی کی جگہ بنا دیا گیا بلکہ ان حدود میں بسنے والے جانوروں کو بھی اذیت پہنچانا ممنوع قرار دیا گیا۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ سے مسلمانوں کی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی جانے والی نمازوں کا کیا ہوگا؟

اس سوال کا جواب خداوند عالم نے واضح الفاظ میں دیا اور فرمایا کہ:

مَا كَانَ اللّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيم

اور اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا، اللہ تو لوگوں کے حق میں یقینا بڑا مہربان، رحیم ہے(سورہ بقرہ)

یعنی اللہ تعالی ایمان باللہ کی بنیاد پر بجالائی گئی نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس لئے بیت المقدس اگرچہ وقتی طور پر ہی سہی لیکن حقیقی قبلہ تھا اور بیت المقدس کے قبلہ ہونے کا حکم اگرچہ منسوخ ہوگیا لیکن نسخ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ سابقہ حکم غلط تھا اور صحیح نہ تھا بلکہ نسخ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس وقت نسخ واقع ہوا اس وقت سابقہ حکم اٹھ گیا اور اس کا زمانہ ختم ہوگیا اور نسخ سے پہلے وہی سابقہ حکم ہی حکم واقعی اور حقیقی ہے لہٰذا جنہوں نے اس سابقہ حکم پر عمل کیا انہوں نے حکم واقعی پر عمل کیا اور اس کا اجرو ثواب اللہ کے نزدیک محفوظ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بقیہ:

انسانی زندگی پر گناہوں کے اثرات، قرآن اور احادیث کی روشنی میں

تو اس پر ایسے شخص کو مسلط کرتا ہوں جو میری معرفت نہیں رکھتے۔(اصول کافی ج ۴، ص ۲۱۵)

"امام علی رضاؑ نے فرمایا بندے جب ایسا گناہ کرتے ہیں جسے پہلے نہیں کیا تو اللہ ان پر ایسی بلا نازل کرتا ہے جسے وہ پہلے نہیں جانتے۔"

یہی مفہوم سورہ شوریٰ میں بھی بیان ہوا ہے:

وَ ما أَصابَكُمْ مِنْ مُصيبَةٍ فَبِما كَسَبَتْ أَيْديكُمْ وَ يَعْفُوا عَنْ كَثير (سورہ شوریٰ ۳۰)

اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے اور اللہ بہت سی باتوں کو معاف کرتا ہے۔

توفیق الٰہی کا سلب ہونا:

گناہوں کا ایک بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے توفیق خدا سلب ہوجاتی ہے۔

"ابو عبد اللہؑ نے فرمایا جو شخص گناہ کرتا ہے تو توفیق الٰہی سلب ہونے کی بنا پر نماز شب سے محروم ہوجاتا ہے اور عمل بد انسانکے دل میں اس سے زیادہ اثر کرتا ہے جتنا ایک چاقو آسانی سے گوشت کے اندر داخل ہوتا ہے"(کافی ج ۴ ص ۲۱۰)

نعمتوں کا سلب ہونا:

" امام محمد باقرؑ نے فرمایا: کوئی سال بارش کے لحاظ سے کم نہیں ہوتا۔ لیکن خدا جہاں چاہتا ہے برساتا ہے جب کوئی قوم گناہوں میں مبتلا ہوتی ہے تو خدا اس پر سے بارش کو ہٹا دیتا ہے۔۔۔) (کافی ج ۴ ص۲۱۱)

حدیث مبارک طویل ہے اس میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ گناہ کا اثر افراد، زمین پر کیسے ہوتا ہے یہاں تک کہ اہل معاصی کے قریب کیڑوں کا رہنا بھی پسند نہیں کرتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مرجع عالی قدر دام ظلہ سے پوچھے گئے سوالات اور ان کے جوابات

ترتیب: مولانا محمد مجتبیٰ نجفی

سوال: قرآن کے سلسلہ سند کے متعلق مجھ کم علم کے علم میں اضافہ فرمادیں ہے ؟

جواب: بسمہ سبحانہ! جیسے آپ کو دنیا کی ان جگہوں کے بارے علم ہے کہ جنہیں آپ نے نہیں دیکھا ہے اسی طرح ہر زمانے میں لاکھوں انسانوں نے اقرار کیا ہے کہ یہ قرآن رسول اسلامؐ پر نازل ہوا تھا اور ابھی تک موجود ہے اور اسے ہم علمی اصطلاح میں تواتر کہا جاتا ہے۔ واللہ العالم

سوال: کیا واقعا ایسی روایات ہیں کہ امام زمانہ عج شیعہ علماء کو قتل کریں گے ۔ ؟

جواب: بسمہ سبحانہ! جو جو اہل بیتؑ کے احکام کا پابند نہیں ہے وہ شیعہ عالم نہیں ہے اور امام زمانہ (عج) ایسے کو قتل کریں گے، وہ کتابیں جو امام زمانہ (عج) کے بارے میں لکھی گئی ہیں ان میں یہ روایات موجود ہیں۔ واللہ العالم

سوال: تذکیہ نفس کے لیے کوئی عمل تعلیم فرمائیں تاکہ تقوی اختیار کر کے شیعان مولا ئے کائنات علی المرتضی علیہ السلام کے شیعوں میں شمار ہو سکوں؟

جواب: بسمہ سبحانہ! میری نصیحت یہ ہے کہ آپ متقی بنیں اور متقی بننے کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہر روز سونے سے پہلے محاسبہ کرو صبح سے لے کر اب تک جو اعمال و حرکات سر زد ہوئی ہیں ان کا جائزہ لو، اگر کسی نیکی کی توفیق ہوئی ہے تو خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے اس نیکی کی توفیق عطا فرمائی ہے اور اگر کوئی خدا کی معصیت یا گناہ سرزد ہوا ہے تو سونے سے پہلے ندامت کے ساتھ روئے۔ امامؑ اور خدا سے اس کی معافی مانگے اور اگر کسی مومن سے زیادتی کی ہے تو سونے سے پہلے اس سے معافی مانگو ورنہ قیامت کے دن اگر وہ مومن معاف نہیں کرے گا تو اس سے چھٹکارا بہت مشکل ہو گا اور وہ معاف نہیں کرے گا جب تک کہ آپ سے آپ کی نیکیاں نہ لے لے۔ اور خدا کی رحمت سے نا امید ہونا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ والسلام

سوال: کیا قرآن مجید میں 40 پارے تھے ؟

جواب: بسمہ سبحانہ! قرآن کی پاروں میں تقسیم رسول اسلامؐ کے زمانے میں نہیں تھی قرآن صرف سورتوں میں تقسیم تھا اور جو ترتیب اب ہے وہی ترتیب رسول اسلامؐ نے خدا کے حکم سے صورتوں کی دی تھی اور پاروں میں قرآن کو کئی صدیوں کے بعد تقسیم کیا گیا ہے اور سپاروں میں اور ہر پارے کو چار حصوں میں بھی بعد میں تقسیم کیا گیا ہے تاکہ جو ایک ماہ میں قرآن ختم کرنا چاہے تو وہ ایک سپارہ روز پڑھے۔ واللہ العالم

سوال: آقا جان میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں زوال سے کیا مراد ہے اور نماز ظہر کا وقت بھی بتادیں جمعہ کے دن؟

جواب: بسمہ سبحانہ! جہاں آپ رہتے ہیں اگر نقطہ جنوب کی طرف رخ کر کے بیٹھیں یا کھڑے ہوں تو جب سورج آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان مشرق سے پہنچ جائے اور اس کے بعد بائیں طرف چاہے ایک ملی میٹر بھی حرکت کرے تو اس کو زوال کہتے ہیں۔

زوال شمس دائرہ نصف نہار سے سورج مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف منتقل ہو جائے تو نماز جمعہ کا وقت ہو جاتا ہے اور یہ حرکت سورج کے طلوع ہونے سے زوال تک رہتی ہے اور یہ وقت ((time گرمیوں اور سردیوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔

اور چونکہ کبھی دن لمبے اور کبھی چھوٹے ہوتے ہیں، لہٰذا ہم نے جو آپ کو علامت بتائی ہے آپ اس کی پابندی کریں گے اور جب زوال ہو جائے تو ظہر کا وقت ہو جاتا ہے۔ واللہ العالم

سوال: پاکستان میں اپنی بڑی ضروریات کے لئے ایک بڑی رقم حاصل کرنے کے لئے ایک طریقہ کار رائج ہے جسے کمیٹی کہتے ہیں۔ اس میں چند لوگ ماہانہ ایک فکس رقم کسی متفقہ الرائے شخص کے پاس جمع کرواتے ہیں اور اس طرح سب کی چھوٹی چھوٹی رقوم مل کر ایک بڑی رقم بن

جاتی ہے۔ اور پھر یہ رقم تمام ممبران ماہانہ قرعہ اندازی کے ذریعے باری باری استعمال کر سکتے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ اس پر خمس کا کیا حکم ہے؟اگر میری باری میری سالانہ خمس کی تاریخ سے پہلے آ جائے اور میں یہ رقم لے کر اپنی ضروریات پر خرچ کر دوں اور باقی کچھ نہ بچے تو کیا حکم ہو گا؟

جواب: بسمہ سبحانہ!اگر آپ کی خمس کی تاریخ نہیں ہے تو اس تمام رقم کا جو آپ کے ہاتھ آئی ہے اس کا خمس دینا فوراً واجب ہے اور اگر خمس کی تاریخ ہے تو جو سال کے بعد تاریخ آنے پر جو بچے گا اس کا خمس دینا ہو گا اور اگر کچھ نہ بچا تو خمس واجب نہیں ہو گا۔ واللہ العالم

سوال: دوران عدت وفات کیا عورت اپنے بچے کو سکول چھوڑنے اور واپس لانے کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہے.... بچہ باضد ہے کہ والدہ ہی جائے کیونکہ بچہ ابھی چھوٹا ہے؟

جواب: بسمہ سبحانہ!اگر مجبور ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی بھی چارہ نہیں ہے تو ایسا کر سکتی ہے مگر اس میں بھی ضرورت سے زیادہ گھر سے باہر نہ رہے۔ واللہ العالم

سوال: کیا ماں باپ کی کفالت میں رہنے والی بالغ لڑکی گھر سے بھاگ کر باپ کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتی ہے؟اگر اسکے نکاح کی تاریخ بھی معین ہو چکی ہو اور وہ گھر سے بھاگ جائے تو نکاح کی کیا حیثیت ہے۔؟

جواب: بسمہ سبحانہ!نکاح کی تاریخ سے نکاح نہیں ہوتا بلکہ نکاح پڑھنے سے نکاح ہوتا ہے اور جو لڑکیاں ایسا کرتیں ہیں وہ بہت بدنصیب، بے حیا اور مرنے سے لے کر قیامت تک دوزخ میں جلیں گی اور قیامت کے روز بھی انہیں جلایا جائے گا اور جس کے ساتھ وہ بھاگ گئی ہے اس کے ساتھ بھی اس کا نکاح درست نہیں ہے اور جو وہ کرے گی اسے زنا سمجھا جائے۔ واللہ العالم

سوال: میں پاکستانی گورنمنٹ ملازم ہوں۔ کاغذات میں میری عمر ایک سال کم درج ہے ۔ ملکی قانون کے مطابق ریٹائرنمنٹ کی عمر ۶۰ سال ہے۔ ۵۹ سال سروس کے وقت میری حقیقی عمر ۶۰ سال ہو چکی ہوگی۔ کیا میرے لیے آخری سال کی نوکری اور اسکی تنخواہ لینی جائز ہوگی؟

جواب: بسمہ سبحانہ!آپ کے لئے آخری سال کی نوکری اور تنخواہ لینا جائز ہیں اگرچہ آپ نے کاغذات میں جھوٹ لکھ کر گناہ کیا تھا۔ واللہ العالم

سوال: جناب سیدہ فاطمہ زہراء سلام علیہا کا کتنا مہر تھا؟

جواب: بسمہ سبحانہ!پہلی روایت کے مطابق چار سو سے لے کر پانچ سو درہم تک بی بیؑ کا حق مہر تھا۔(حوالہ: ابن شہر آشوب، مناقب جلد ۳ صفحہ ۳۵۰)

دوسری روایت کے مطابق امام رضاؑ سے مروی ہے کہ مہر سنت جو مشہور ہے وہ پانچ سو درہم بی بیؑ کا حق مہر معین ہوا تھا۔ (حوالہ: بحار الانوار جلد۹)

اور پانچ سو درہم سے مراد پانچ سو مثقال چاندی کے بنے ہوئے درہم ہیں اور ایک درہم کی مقدار ایک مثقال چاندی کے برابر ہوتی ہے، ایک درہم خالص چاندی کا بنا ہوا سکہ ہوتا ہے جو، جو کے ستر دانوں کے برابر ہوتا ہے جس کا وزن 2.975 گرام ہوتا ہے اور اب چونکہ بازار میں درہم چیزوں کی خرید و فروخت کے لئے استعمال نہیں ہوتے تو آپ ان درہموں کی قیمت روپے کی شکل میں معین کر سکتے ہیں۔ واللہ العالم

مرجع عالی قدر دام ظلہ کے نمائندے کا نجف اشرف میں وزارت داخلہ کے شعبہ اقامہ کا دورہ.

مرجع عالی قدر آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج حافظ بشیر حسین نجفی دام ظلہ کے نمائندے حجۃ الاسلام سید لطیف ہاشمی دام عزہ نے نجف اشرف میں وزارت داخلہ کے شعبہ اقامہ کا دورہ کیا جہاں انکا استقبال کرتے ہوئے شعبے کے مدیر نے انکی جانب سے عراقیوں اور بیرونِ عراق سے آنے والے لوگوں کی کی جارہی خدمات پیش کی۔

حجۃ الاسلام سید لطیف ہاشمی دام عزہ نے شعبہ اقامہ کی کوششوں کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ ہر وہ شخص کہ جو قوانین اور نظام کا احترام کرتا ہے ہمارے دلوں میں ایسے لوگوں کے لئے خصوصی احترام ہے۔

اپنی جانب سے شعبہ اقامہ کے عہدیداروں نے مرجعیت نجف اشرف خصوصا مرجع عالی قدر دام ظلہ کا انکی نصیحتوں اور عوام کی خدمت میں پیش پیش رہنے کی مستقل دعوت اور انکے خصوصی اہتمام پر شکریہ ادا کیا۔

مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ناصریہ کے وفد کی ملاقات.

مرجع عالی قدر آیت اللہ العظمیٰ الحاج حافظ بشیر حسین نجفی دام ظلہ نے اپنے مرکزی دفتر نجف اشرف میں ناصریہ کے مؤمنین سے پدرانہ نصیحتیں اور ضروری ارشادات کے بعد معاشرے میں اصلاح اور ہدایت میں علماء و وکلائے کرام کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مرجعیت کے قوت بازو ہیں اور مؤمنین کو صحیح راستے کی رہنمائی میں انکے کردار عظیم اہمیت کے حامل ہیں

مرجع عالی قدر دام ظلہ الوارف نے مزید محاسبہ نفس پر تاکید فرماتے ہوئے فرمایا کہ مؤمنین کرام لازمی طور پر کم از کم ایک مرتبہ چوبیس گھنٹے میں اپنے نفس کے محاسبے کی عادت ڈال لیں اور اسکے نفس ، اسکے گھر والوں اور اہل معاشرہ نے پورے دن میں کیا کیا افعال انجام دیئے اس پر دقّت سے غور کریں اسلیئے کہ انسانی نفس کے لئے ضروری ہے کہ اسکو مہذب بنایا جائے اور اسے برائیوں اور معصیت سے بچنے اور نیکیوں کے انجام دینے کا عادی بنائیں تاکہ معاشرے میں محبت بھائی چارگی کا بول بالا ہو

مرجع عالی قدر دام ظلہ سے مولی عباس علیہ السلام کے حرم کے خداموں کی ملاقات.

مرجع عالی قدر آیت اللہ العظمی الحاج حافظ بشیر حسین نجفی دام ظلہ نے اپنے مرکزی دفتر نجف اشرف میں آئے حرم حضرت عباس علیہ السلام کے وفد سے اپنے خطاب میں فرمایا کہ مقامات مقدسہ اور عتبات عالیات میں خدمت انجام دینا عظیم شرف ہے اور خدمت انجام دینے والے بھی عظیم منزلت کے حامل ہیں اور یہ سب کچھ آپکو آپکی ماؤں کے شیر پاک ، نسل کی طہارت، اور صحیح تربیت و نشو نما کا نتیجہ ہے۔

اپنی جانب سے آئے ہوئے وفد نے مرجع عالی قدر دام ظلہ الوارف کی خدمت میں حرم کی جانب سے طبع کرائے گئے، کچھ مجلے اور حرم کی جانب سے طبع کی گئی کتابیں بھی پیش کی جس پر مرجع عالی قدر دام ظلہ الوارف نے انہیں اس خدمت کی توفیق پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آپکی یہ علمی و فکری کاوشیں اہمیت کی حامل ہیں اسلئے کہ معاشرے میں یہ اثر انداز ہیں اور واضح رہے کہ ہر وہ علمی و فکری کاوشیں کہ جو اہل بیت علیہم السلام کے بتائے ہوئے راستے سے موافق ہوں وہ دینی درسگاہوں اور پورے معاشرے کے لئے ایک نایاب خزانہ ہیں ساتھ ساتھ وہ صدقہ جاریہ بھی ہے جسکا ثواب انہیں ہمیشہ ملتا رہیگا۔

پاکستان سے آئے ہوئے وفود کی مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

بکھر ملتان اور پارہ چنار سے آئے ہوئے وفود نے مرجع عالی قدر آیت اللہ العظمی الحاج حافظ بشیر حسین نجفی دام ظلہ سے ان کے مرکزی دفتر نجف اشرف میں ملاقات کی. اس ملاقات کا مقصد مرجعیت عظمی کی زیارت اور ان کی نصیحتوں سے استفادہ کرنا تھا. اس ملاقات میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نے دین پر عمل کرنے پر زور دیا. اور مزید اس بات پر تاکید کی کہ حجاب کی پاسداری کرنا کنیزان زہرا سلام اللہ علیھا پر لازم ہے. اور آخر پر مرجع عالی قدر دام ظلہ نے مومنین کو اس نکتہ کی طرف متوجہ فرمایا کہ پابندی خمس بہت ضروری ہے کیونکہ امام صادق علیہ السلام فرماتے تھے خمس تمہارے اوپر اس لیے واجب نہیں ہے کہ ہم تمہارے مال کے محتاج ہیں بلکہ خمس اس لیے واجب ہے کہ تمہارا مال پاک ہو جائے اور تمہارے بچے حلال زادے ہو جائیں. آخر پر آئے ہوئے وفود نے مرجع عالی قدر دام ظلہ کا قیمتی وقت دینے پر شکریہ ادا کیا. نیز یہ بھی یاد رہے کہ ان وفود میں ذاکر اھل بیت ناصر عباس نوتکی اور ذاکر اھل بیت علی رضا شاہ داؤود خیل بھی موجود تھے.

علم کی اہمیت

علم و تعلیم سے زیادہ کوئی چیز پاکیزہ اور مقدس نہیں ہو سکتی کیونکہ علم و تعلیم سے ہی قومیں زندہ ہوتی ہیں، علم سے ہی دوسری قوموں سے برتری سربلندی اور کامیابی حاصل ہوتی ہیں، تعلیم اور علم سے ہی خدا کی عبادت ہوتی ہے اور دین پہچانا جاتا ہے۔ پس اسٹوڈنٹ کو چاہیے کہ سب سے بڑی نیکی کے حصول یعنی علم کے حصول کے لئے زندگی اور آرام سے بھی بڑھ کر جو چیز ہو اسے بھی قربان کر دے۔

مرجع عالی قدر آیت اللہ العظمیٰ الحاج حافظ بشیر حسین النجفی دام ظلہ الوارف

سالانہ ممبر شپ 300 روپے

مرکزی ایڈریس:

امیر المؤمنین علیہ السلام ٹرسٹ ، صدر مقام باٹا پور، نزد گیٹ نمبر 2، باٹا فیکٹری لاہور پاکستان